فارسی اوراردو مخطوطہ شناسی کے، مسائل اوران کا حل

ڈاکٹر نیلوفر حفیظ
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی وفارسی، الہٰ آباد یونیورسٹی

کلیدی الفاظ:

مخطوطہ شناسی، دستاویز، قرات متن، قدیم وکہنہ، ارزش وافادئیت، ادبی وفرہنگی، افہام وتفہیم، اصول وضوابط، معاون ومددگار، تصحیح وتدوین، تنقید وتحقیق، مہر واسناد، تقدم وتاخر، ترقیمہ وتملیکہ، طباعت واشاعت، تخریج وتعلیقات، شواہد داخلی وخارجی ، تذکرے وتواریخ، تصرفات وتغیرات، مایہ ناز و گرانقدر، تہذیب وثقافت، قومی وبین الاقوامی، عصر قدیم وموجودہ، مسائل ومشاکل ، متروک ومعدوم، تحفظ ونگہداری، انفرادی واجتماعی، فخر وافتخار۔

خلاصہ:

مخطوطہ کسی تحریری نمونہ کو کہاجاتاہے، یہ تحریر کسی کتاب سے نقل بھی ہوسکتی ہے اور طبع زاد بھی، طویل بھی اور مختصر بھی، اصطلاحی معنی میں مخطوطہ سے مراد ایک ایسی کتاب لی جاتی ہے جس کو ہاتھ سے لکھا گیاہو، پریس کی ایجاد سے قبل کتابوں کو ہاتھ سے لکھ کر محفوظ کیے جانے کا رواج تھا، مخطوطہ لکھنے والے کو خطاط اوراس کی تحریر کو خطاطی کہتے ہیں، مخطوطہ شناسی کی روائت بہت ہی قدیم اور کہنہ رہی ہے۔ گوناگوں جہات ونکات کے سبب مخطوطہ شناسی کے اس پر ارزش فن کی معنوئیت واہمیت عصر حاضر میں بھی اسی طرح قائم ودائم ہے، مخطوطہ شناسی تحقیق اور تدوین کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ اس فن پر کامل دستگاہ حاصل کیے بغیر ہم ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہوسکتے ہیں، مخطوطہ شناسی کے عمل میں تحقیق وتنقید اور تصحیح وتدوین کا بنیادی اور اہم مقصد حقائق کی تلاش، سچ کی جستجو، مناسب انداز سے واقعات کو ترتیب دینا اور خالص منطقی انداز سے اس کے نتائج نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرناسب سے اہم ہے تاکہ آئندہ لوگ

اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی آگے کے راستوں کا تعین کرنے میں کامیاب ہو سکیں، مخطوطہ کی تصحیح و تدوین کے لیے مخطوطہ شناس کو بہت سے مسائل، مشکلات اور مزاحمتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے یہ ہی سبب ہے کہ دورہ موجودہ میں شعور ولاشعوری دونوں ہی اعتبار سے اس فن پر ارزش کی طرف سے بے اعتنائی اور لاپرواہی اختیار کی جارہی ہے اور موجودہ دور کے دانشوروں کے لیے یہ کام جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا ہے، بااین ہمہ آج بھی فارسی واردو زبان کے بعض ایسے خاموش اور بے ریا خدمت گار ضرور موجود ہیں جو اس کام کو اپنا فریضہ ادبی سمجھ کر، پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی کوششوں اور مشقتوں سے اس سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لیے دل وجاں سے سرگرداں ہیں، مخطوطات کی تصحیح وتدوین سے منسلک محققین اور ناقدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخطوطہ شناسی کے تمام آداب وضوابط سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہوں، ایک مخطوطہ شناس کے لے ضروری ہے کہ وہ بیک وقت ایک مورخ بھی ہو اور لغت شناس بھی، سکّہ شناس بھی ہو اور کتبہ شناس بھی، دقیق بین بھی اور دور اندیش بھی، مہر شناس ہو اور تصویر شناس بھی ہو، نقش و نگار اور علم خط وغیرہ میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ملک و قوم کی بے لوث خدمت و محبت کا جذبہ بھی اس میں پایا جاتا ہو کیوں کہ ان خصوصیات کے بغیر مخطوطات کی تدوین و تحقیق یا تصحیح و تنقید کے تقاضے پورے نہیں کیے جاسکتے، ایک سہل پسند، غیر مستقل مزاج اور سطحی ذہن کا انسان اس کار گراں کو درست طریقے سے انجام تک نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی ایک عام فہم مخطوطہ شناس کی تحقیق و تدوین اس کے ملک اور قوم کو کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مخطوطہ شناس جب کسی متن کو ترتیب دے رہا ہو تو اس کو حواشی، مقدمہ، متن کا زمانہ تصنیف، مصنف اور اس کے عہد سے متعلق ضروری معلومات، زبان وبیان، اور داخلی وخارجی شواہد کا تعین وغیرہ کے درست تعین کے سلسلے میں غیر معمولی استعداد ولیاقت کا مالک ہو، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسے اہم نکات ہیں جن کا جاننا ہر مخطوطہ شناس کے لیے لازم ہے۔ مثلاً مخطوطہ کی جلد، کاغذ، روشنائی، رسم الخط، زبان، املا، داخلی شواہد، ترقیمہ، دست خط، مہریں اور تملیکہ وغیرہ کے متعلق درست جانکاری حاصل کرنا بھی اس کے لیے بے حد اہم بلکہ لازم ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو تدوین پر اس وقت تک دسترس حاصل نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ تحقیق کا مزاج نہ رکھتا ہو۔ تدوین کتب کے لیے مخطوطہ شناسی انتہائی

ضروری عمل ہے۔ چوں کہ تدوین، تحقیق سے آگے کی منزل ہے اس لیے تدوین کے لیے مخطوطہ شناسی کو کافی اہم قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قیمتی ورثے کی حفاظت و نگہداری سے شعوری ولاشعوری طور پر لاپرواہی اختیار کی جارہی ہے۔ یہ مخطوطات ہمارے اسلاف کے بہترین تہذیبی اور علمی کارناموں وکاوشوں کا عظیم ترین اثاثہ ہیں، ان کی مدد سے وطن عزیز کے عہد گذشتہ کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی، فکری، جذباتی اور نفسیاتی حالات کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان مخطواطت کی رہنمائی سے ہی آئندہ نسلیں رہنمائی اور تقویت حاصل کرتی ہیں، ان کا سہارا لے کر یا ان کو مشعل راہ بنا کر لے کر چلنے سے اگلی منزلوں کی طرف قدم بڑھانا قدرے آسان اور سہل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ مخطوطات ہمارے مستقبل کی کامیابی کے ضامن ہیں، آج بھی ہمارے ملک ہندوستان میں اردو اور فارسی مخطوطات کا اتنا عظیم، بیش قیمت اور گران قدر سرمایہ موجود ہے کہ جن کی ارزش واہمیت کا درست اندازہ لگا پانا بھی ہمارے احاطہ گمان سے باہر ہے، ان مخطوطات میں بہت سی ایسی چیزیں مل جائیں گی جو ہماری علمی، ادبی اور تاریخی زندگی میں دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں مگر افسوس کہ وقت اور حالات کی ناسازگاری اور ہماری اپنی بے نیازی وبے اعتنائی کے سبب ہم اپنے اس بیش قیمت اور گرانقدر ورثے پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ فارسی واردو زبان وادب کی اس کساد بازاری کے دور میں ہمیں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر ہم نے اپنی اس قیمتی وراثت کو سنبھال کر نہ رکھا، تو وہ دن دور نہیں جب ہم اپنی شاندار تاریخ اور بہترین ادبی روایات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے۔ زمانہ موجودہ میں ہر لمحہ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر مخطوطہ شناسی اب شخصی کام نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس کے لئے اب صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی پیمانے پر سنجیدہ اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے، اردو، عربی اور فارسی زبان وادب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اس طرف خصوصی توجہ مبذول کرنا بے حد ضروری ہو گیا ہے، عصر حاضر کے اس حبس زدہ ماحول میں، زبان وادب کے بے لوث اور بے غرض خدمات گاروں کی انفرادی واجتماعی کاوشوں کی مدد سے ہی اپنے اجداد کے اس گراں قدر سرمایہ سے مستفیض ہوا جا سکتا ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے اردو وفارسی ادب سے تعلق رکھنے والے دانشور اپنی انفرادی واجتماعی طور پر انھیں محفوظ کرنے کے لیے ہمیں سنجیدہ اور

ٹھوس اقدامات اٹھائیں، تاکہ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی ان کاوشوں کا نہ صرف اعتراف کریں بلکہ ان پر فخر وافتخار بھی کر سکیں اور ساتھ ہی ساتھ ان سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی کے راستوں پر آگے بڑھ سکیں اور احساس کم تری کا روح فرسا احساس ان کے دل سے محو ہو سکے اوروہ بھی ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے اپنے قومی و قاراور ملکی عظمت پر ہمیشہ نازوافتخار کر سکیں۔

مخطوطہ سے مراد کوئی بھی ہاتھ سے لکھی ہوئی وہ کتابیں، دستاویزات اور تحریریں ہوتی ہیں جن کو زیور طباعت سے آراستہ نہ کیا گیاہو، مخطوطہ کو انگریزی زبان میں "Manuscript" کہاجاتاہے،وہ لوگ جو مخطوطہ لکھتے ہیں انھیں خطاط کہاجاتاہے اور ان کی تحریروں کو خطاطی کہتے ہیں، اوروہ شخص کسی کام کی اصل تحریر غوروفکر کرنے کے بعد تحریر کرتاہے اس کو مصنف کہاجاتاہے اورجو کسی اور کی تحریروں کو نقل کرتاہے اس کو کاتب کہتے ہیں، خطوطہ نویسی ایک ایسے عمل کانام ہے جس میں کسی متن کوہاتھ سے لکھاجاتاہے، پھروہ متن چاہے کسی کتاب کی شکل میں ہو، یا دستاویز یاشاعری، یا پھر کسی اور صورت میں ہمارے سامنے موجود ہو، شواہد سے ثابت ہوتاہے کہ دنیا میں مخطوطہ شناسی اور مخطوطہ نویسی کی تاریخ بہت قدیم اور کہنہ رہی ہے، پرنٹنگ کی ایجاد سے پہلے تمام تر ضروری دستاویزات اور کتابوں کی تیاری یا ان کو محفوظ رکھنے کا بنیادی طریقہ یہ ہی ہوتا تھا کہ کاتب یا مخطوطہ نویس کسی دانشور کی علمی وادبی کاوش کو قلمی نسخے کی شکل میں محفوظ کر لیتے تھے۔دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ طباعت کی آمد سے پہلے کے تمام دستاویزات اور کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہی محفوظ ہوتی تھیں اور تحقیق اور تدوین وغیرہ کے میدان میں تومخطوطہ کی یہ اصطلاح آج بھی خصوصی طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ مخطوطے کی تعریف کے ضمن میں بعض دانشوروں کا ماننا یہ بھی ہے ہر قلمی تحریر یا دستاویز کو مخطوطہ نہیں کہا جا سکتا ہے، بلکہ کسی بھی تحریر کو مخطوطہ صرف

اور صرف اسی وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ اس کی طباعت نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ ایسی تحاریر جو چھاپہ خانے کی ایجاد سے قبل لکھی گئیں ہیں، صرف انھیں قلمی تحریروں پر مخطوطات کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ مشہور و معروف محقق، ناقد اور دانشور آقائے شفیق انجم مخطوطات کی بڑی جامع مانع اور پر از معلومات پیش کی ہے ذیل میں اس کی چند سطور پیش کی جا رہی ہیں وہ مخطوطہ میں بارے میں لکھتے ہیں:

"مخطوطات سے مراد مشینی چھپائی سے قبل کی تحریریں ہیں، عام طور پر قلمی تحریروں کو مخطوطہ کہنے کا رواج ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ ہر قلمی تحریر مخطوطہ نہیں ہوتی، مخطوطات کا اطلاق قبل از طباعت کی تحریروں پر ہوتا ہے۔ مخطوطات کے لیے روشنائی سے کاغذ پر لکھنا بھی شرط نہیں ہے۔ یہ کسی دھات، کپڑے، پتھر، چمڑے اور اسی نوعیت کی دیگر اشیاء پر کھدے ہوئے ہوں، ابھارے ہوئے یا چسپاں بھی ہو سکتے ہیں۔ پس قلمی کا مفہوم یہاں قلم کی مناسبت سے نہیں بلکہ دورِ طباعت سے قبل کے ان وسیلوں کی مناسبت سے ہے، جو متن کو تحریری شکل میں لانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے"۔[1]

اردو زبان وادب کے ایک اور بہت ہی عظیم الفکر اور مایہ ناز مفکر، محقق اور ناقد ڈاکٹر گیان چند جین نے مخطوطہ کی تعریف پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر مخطوطہ کہلاتی ہے یہ تحریر ایک صفحے پر مشتمل ہو، یا ایک ہزار پر، ایک سال پرانی ہو یا ایک ہزار سال، کاغذ پر لکھی ہوئی ہو یا پھر کھجور کی چھال پر، پتھر پر کندہ ہو یا ہڈیوں کے ٹکڑوں پر، بہر حال اس کو تحقیق و تدوین کی زبان میں مخطوطہ کہا جائے گا"۔[2]

یہاں اعجاز رازق کے ایک مضمون کا اقتباس نقل کرنا بھی ضرور معلوم ہوتا ہے جس میں انھوں نے مخطوطہ کے درست معنی و مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایسی دستاویز جو خطی ہو یا ٹائپ کی ہو،(اس میں کاربن کاپیاں بھی شامل کی جاتی ہیں) اس میں خطوط ، تاریں ،روزنامچے، رسیدیں،ذاتی حالات،فہرستیں،اجلاس کی رودادیں،معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈ، قانونی سرٹیفکٹ (پیدائش ، شادی ، انتقال، وغیرہ) ادبی کتب، تقاریر اور دوسری دستاویزات کے اصل مسودات، جو شخصیات یا افراد سے متعلق ہوں،ان میں شامل ہوتے ہیں ۳"

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں مخطوطہ کے لفظ، قسم اور اصطلاح کی تشریح و توضیح بہت ہی جامع ومانع انداز میں پیش کی گئی ہے اس کا ایک مختصر اقتباس ذیل میں درج کیا جارہا ہے تاکہ مخطوطہ کے درست معنی و مفہوم اخذ کرنے میں ہمیں مزید مدد مل سکے:

"زمانہ قدیم میں اس قلمی نسخے کو مخطوطہ کہا جاتا تھا جو پیپرس پر لکھا جاتا تھا۔ بعد ازاں قلمی تحریریں جھلی نما اشیاء پر اور کاغذ کی ایجاد پر یہ تحریریں اس پر لکھی جانے لگیں۔ مخطوطات کی متعدد اقسام ہیں مثلاً وہ مخطوطات جو مطلاً و مذہب ہوں یا وہ مخطوطات جن پر سلاطین و امراء کی مہریں یا اُن کے دستخط ثبت ہوں۔ یا وہ مخطوطات جو فتوحات کے موقع پر سلاطین اور سپہ سالاروں کو اموال غنیمت میں حصہ آئے۔ یا وہ مخطوطات جنہیں خود مصنفین نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور وہ بوجوہ شائع نہ ہو سکے۔ یا وہ مخطوطات جن کو مشہور خطاطوں نے لکھا- شوقین حضرات قیمتی قسم کے مخطوطات کو خرید کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں" ۴

مخطوطات خواہ وہ کسی بھی ملک و قوم کی تاریخ، سیاست، ادب، مذہب، تہذیب اور ثقافت وغیرہ سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں، وہاں کے بارے میں بیش قیمت معلومات فراہم کرنے میں ہمارے بڑے معاون و مددگار ہوتے ہیں اپنے اسی بیش قیمت سرمایہ کی مدد سے ہی ہم اپنے ثقافتی و تہذیبی ورثے سے منسلک ہوتے ہیں اور صرف ہماری معلومات ہی میں اضافہ نہیں کرتے بلکہ ہماری غور و فکر کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ انھیں کے ذریعے ہمیں تحقیقی و تنقیدی مواد حاصل ہوتا ہے، اور انھیں کی مدد سے ہم ماضی کی بازیافت کر سکتے ہیں ان مخطوطات میں موجود ذی قیمت معلومات محققین کو تازہ موضوعات اور نئے زاویوں سے روشناس کراتی ہے، اور انہیں اپنے تحقیقی کام کو مزید بہتر بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ مخطوطات کی ابتدا کب، کہاں اور کیسے ہوئی ہے ؟ اس کا جواب دینا تو قدرے مشکل ہے، کیونکہ مخطوطات کی تاریخ اس قدر قدیم اور پرانی ہے کہ ہمارے محققین و مفکرین کی دور رس نگاہیں بھی اس کا احاطہ کرنے سے قاصر نظر آتی ہیں، البتہ قیاس کی بنیاد پر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انسان نے تکلم میں مہارت حاصل کر لینے کے بعد پتھروں، چٹانوں، درختوں کی چھالوں اور جانوروں وغیرہ کی کھالوں کو محفوظ کیا ہو گا اور انھیں اشیا کو بعد میں، مخطوطات کی تیاری میں بروئے کار لایا گیا ہو گا، ابتدائی دور میں مخطوطات کو تیار کرنے کے لیے انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی کوششوں کا سہارا لیا گیا ہو گا، اور جب کشور چین میں سب سے پہلے، کاغذ کا اختراع ہوا تو پھر مخطوطہ نویسی کی دنیا میں بھی ایک خاص اور مثبت انقلاب پیدا ہو گیا اور ۱۴۳۹ عیسوی میں جب جرمنی میں پہلی بار چھاپہ خانہ کو قائم کیا گیا، تو مخطوطہ نویسی کی روائت میں بھی بے شمار تبدیلیاں اور تغیرات پیدا ہو گئے اور طول و طویل زمانے تک ان تغیرات و تبدیلیوں کا سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہا۔

مخطوطات کی سب سے بڑی اور اہم خوبی یہ ہے کہ ان کی مدد سے ہم کو کسی بھی ملک کے زبان اور ادب کے ارتقاء کو سمجھنے میں خصوصی مدد ملتی ہے اور ان مخطوطات میں موجود مختلف تحریری انداز بیان اور سبک زبان کے

استعمال سے محققین وناقدین کو زبان کے مختلف پہلوؤں کی تفہیم وافہام میں آسانی ہوتی ہے۔اس کے علاوہ مخطوطات میں تاریخی واقعات، شخصیات، اور معاشرتی زندگی کے بارے میں بھی بیش قیمت اور اہم معلومات ہمیں حاصل ہوتی ہیں، اور انھیں معلومات کے ذریعے ہمیں عہد گذشتہ یعنی ماضی کے بارے میں ایک سچی اور حقیقی تصویر فراہم ہوتی ہے اوران کے ذریعے ہمیں ماضی میں ظہور پذیر ہونے والے گوناگوں واقعات، سانحات اور حوادثات سے سبق سیکھنے میں بھی خاصی مدد حاملتی ہے جو آئندہ کے لیے مشعل راہ کی طرح کام کرتی ہے۔

ہمارے یہ مخطوطات علم وادب اور غوروفکر کے شعبوں میں بھی بڑے گہرے، راسخ اور ہمہ گیر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان میں موجود نظریات اور افکار محققین، مورخین اور طالب علموں وغیرہ کے لیے ایک بیش قیمت دولت کی طرح ہیں، اور علم وادب کی پیش رفت اور ترقی میں بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔اگر ہم قدرے گہرائی اور دیانت داری کے ساتھ ان مخطوطات کا مطالعہ کریں تو ہم کو پتہ چلے گا کہ ہمارا زیادہ تر قدیم تاریخی، سیاسی، معاشرتی تعلیمی، اورادبی سرمایہ ان مخطوطات کی شکل میں ہی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ یہ مخطوطات انسانی تہذیب وتمدن کی سب سے زیادہ اہم اور بیش قیمت وراثت تصور کیے جاتے ہیں، جو انسانی روایات واقدار کو نسل در نسل آگے پہنچاتے ہیں، یہ مخطوطات نہ صرف کسی ملک اور قوم کی تہذیب وتمدن بلکہ مختلف علوم وفنون کی تاریخ کو آگے بڑھانے میں بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ عصر حاضر میں ہمارے ملک وقوم کا تمام تر قدیم تاریخی، علمی اورادبی سرمایہ ان مخطوطات ہی کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے تو بے جانہیں ہو گا۔ لہٰذا ان مخطوطات کی حفاظت اور نگہداری کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے، ان مخطوطات کی مدد لئے بغیر ہم اپنی تاریخی اورادبی روایات کی جڑوں تک رسائی پانے میں صد فی صد کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں، ڈاکٹر انجم رحمانی نے اپنے ایک مضمون میں مخطوطات کی اہمیت وارزش کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مخطوطات انسان کی تہذیبی کارناموں کا عظیم قیمتی ورثہ ہے۔ یہ انسان کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی، فکری، جذباتی اور نفسیاتی حالات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ یہ ایسے ماحول اور فضا کو پیش کرتے ہیں جس میں وہ تخلیق ہوئے۔ یہ انسانی معاشرہ کی روایات اور اقدار کے امین ہوتے ہیں۔ جس سے آئندہ نسلیں رہنمائی حاصل کر لیتی ہیں۔ یہ ماضی کے یادگار واقعات و حالات کا ریکارڈ ہوتے ہیں۔ جس کے مطالعہ سے انسان میں مستقبل سے نمٹنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ماضی کی سائنسی، تکنیکی ایجادات کی پیش رفت کا دستاویزی ثبوت ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد پر ترقی کی اگلی منزلوں کی طرف گامزن ہونا آسان ہو جاتا ہے''۵

ہمارا ملک ہندوستان ابتدا ہی سے عربی، فارسی، اردو، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے مخطوطات کی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے پوری دنیا میں خاصی شہرت اور اہمیت کا حامل رہا ہے، تاریخ کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت عالم اسلام پر وحشی اور علم وادب سے ناآشنا تاتاری قوم ایک تباہ کن آندھی بن کر اپنا تسلط قائم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی، اور اس آندھی بلکہ تند و تیز طوفان نے ہمہ طرف ظلم و ستم کا ایک ایسا قہر برپا رکھا تھا کہ جس کا تصور کرنے سے ہی سے روح میں ارتعاش اور قلم میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے، جس وقت تاتاری قوم نے ظلم واستبداد سے ہر خاص وعام کو ہراساں اور خوف زدہ کر رکھا تھا، اس وقت ہندوستان ملک پر مسلمان بادشاہوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور آہستہ آہستہ یہ حکومت مستحکم و مضبوط بھی ہوتی جا رہی تھی، ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت اہل ہند کے حق میں بڑی رحمت ثابت ہوئی تھی، کیونکہ یہ مسلم فرمان روا بڑے ہی عدل پرست، شجاع، علم نواز اور ادب پرور تھے، ان کے داد و دہش اور کرم فرمائیوں کی دل انگیز داستانیں، سن سن کر نہ جانے کتنے شاعر، ادیب اور علما اپنا وطن عزیز چھوڑ کر ہندوستان کی سرزمین پر قدم رنجا ہوئے، اور جلد ہی اس دیار غیر کی فضاؤں میں اس طرح رچ بس گئے کہ پھر اپنے وطن واپسی کا خیال تک بھی ان کے دل میں نہیں آیا۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بھی

ثابت ہوتا ہے کہ یہ غیر ملکی دانشور اپنے ساتھ اپنی بہت سی علمی کتابوں اور ادبی جواہر پاروں کو بھی لے کر آئے تھے ،تا کہ ہندوستان کے ادب نواز اور علم پرور بادشاہوں کے یہاں ان کے علم وہنر کو حمایت و پذیرائی اور داد و تحسین حاصل ہو سکے ،ان ہندوستانی بادشاہوں نے بھی ان غیر ملک سے آئے دانشوروں کو انعام واکرام سے نوازنے اور ان پر اپنے لطف وکرم کی بارش کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی اختیار نہیں کی، اور نہ ہی ان کو کبھی ان کی بے وطنی کا روح فرسا احساس ہونے دیا،ان بادشاہوں کی فیاضیوں و زر پاشیئوں اور دانشوروں کی ادبی صلاحیتوں ولیاقتوں کی علمی وادبی کاوشوں سبب ہی، دورہ موجودہ میں ہندوستان کے تقریباً تمام ہی بڑے بڑے کتب خانے، مخطوطات کی قیمتی دولت سے مالا مال ہیں اور ہمارے محققین وناقدین کے دست ہنر مند کے منتظر ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ”مردی از غیب برون آید وکاری بکند“ اور فارسی واردو مخطوطات میں تو ہندوستانی تہذیب کی تمام تر قدیم اور دلچسپ داستانیں سمٹی ہوئی ہیں، ان مخطوطات کی مدد لیے بغیر ہم اپنے وطن عزیز کی شاندار وجاندار روایات کے متعلق درست واقفیت حاصل نہیں کر سکتے ہیں، اور نہ ہی یہاں کی حقیقی تاریخ سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں، لہٰذا گمنامی کے اندھیروں میں سسکتے ہوئے ان مخطوطات کی تصحیح وتدوین، اور ان کی درست قدر وقیمت کا تعین کرنا، ہمارے لئے نہ صرف ضروری، بلکہ دورہ موجودہ میں تو لازمی تصور کرنا چاہیے۔

فارسی اوراردو زبان وادب کی ترویج واشاعت اور پیشرفت وفروغ میں ہندوستان میں تحریر کیے جانے والے مخطوطات کی اہمیت وافادئیت ہمیشہ سے ہی مسلم رہی ہے اور آج بھی ان کی ادبی، تاریخی، ثقافتی، لسانی اور تحقیقی ارزش وافادئیت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ دن بہ دن افزوں ہی ہوتی چلی جارہی ہے، بھلے ہی دورہ حاضر کی علمی کساد بازاری اور ہماری بے حسی کے سبب ان پر بہت زیادہ توجہ صرف نہ کی جارہی ہو، با این ہمہ یہ مخطوطات خصوصاً عربی وفارسی اوراردو مخطوطات ہمارے اسلاف کے تہذیبی کارناموں کا ایسا بیش قیمت ورثہ ہیں جو ہمیں ماضی

کے تابناک اوردرخشندہ دورکے سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی، فکری، جذباتی اور نفسیاتی حالات کی بیش قیمت معلومات فراہم کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ہمارے پاس مختلف علوم وفنون سے متعلق جو بیش قیمت علمی سرمایہ موجود ہے،وہ ابتدائی زمانے میں مخطوطات کی صورت میں ہی محفوظ تھا،ان مخطوطات کی ادبی اور تاریخی حقائق کو منظر عام پر لانااور ان کی درست قدروقیمت سے دنیاکوروبروکرانااس بحرانی اور پر انتشار صورتحال میں ہمارااہم ترین فریضہ بن جاتاہے کہ ان مخطوطات سے نہ صرف یہ کہ ہم استفادہ کریں بلکہ دیگر اقوام کو بھی ان سے فیض یاب ہونے کی دعوت دیں، کشور ہندستان کی بے شمار ایسے کتب خانے اور سرکاری و غیر سرکاری ادارے موجود ہیں جہاں فارسی واردو مخطوطات کابڑانایاب ونادر ذخیرہ موجود ہے مگر افسوس کہ ہماری بے اعتنائی، کم توجہی کے سبب وہ ذخیرہ اب تباہ وبرباد ہوتا چلا جارہاہے۔اس کے علاوہ ہمارے ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں لوگوں کے ذاتی ذخیرے بھی کچھ کم اہمیت کے حامل قرار نہیں دیئے جاسکتے ہیں، مگر فارسی زبان سے عدم واقفیت اور اردو زبان بے اعتنائی کے سبب یہ ذاتی ذخائر بھی اب انتہائی خراب وخستہ حالت میں نظر ہیں اور بعض تو ایسے بھی ہیں جو کہ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں فناہو کر صفحہ قرطاس سے اپنے نام ونشان محو کر چکے ہیں، لیکن ہمیں یہ بات ہر گز بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے، کہ یہ مخطوطات انسانی تہذیب و ثقافت کی اساس اور جدید تمدن کا شاندار اور جان دار ستون ہیں۔اور یہ ہی سبب ہے کہ مشرقی زبانوں بالخصوص عربی، فارسی اور اردو میں مخطوطات کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ ہمارا بیشتر قدیم علمی وادبی سرمایہ مخطوطات کی شکل میں ہی آج ہمارے پاس محفوظ ہے۔ قدیم تواریخ و تذکرے، سوانح وسیرت، داستانیں، مثنویات اور شعرا کے دواوین وغیرہ سب کے سب مخطوطات کی شکل میں ہی موجود ہیں اور ہمیں بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرنا بے حد ضروری ہے کہ ان مخطوطات کے بغیر ہم اپنی ادبی روایات کی جڑوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے حال کو درخشاں اور تابندہ بناسکتے ہیں۔

ہندوستان کی مختلف دانش گاہوں اور کتب خانوں کی زینت بنے یہ مخطوطات ہمارے اسلاف کے مستحکم ومضبوط حکمت عملیوں، مختلف النوع سیاسی وسماجی واقعات وحالات، تجربات اور مشاہدات کا نہائت شاندار اور جاندار ریکارڈ کہے جاسکتے ہیں، جن کی معاونت ومدد سے ہم اپنے حال کو بہتر بناسکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مستقبل کے لیے بہترین حکمت عملیاں بھی اختیار کرسکتے ہیں، یعنی ان مخطوطات کی بنیاد پر ترقی کی اگلی منزلوں کی طرف گامزن ہونا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ہی سبب ہے کہ ابتدائی زمانے سے لے کر دورہ حاضر تک اردو وفارسی مخطوطات ایک قیمتی وراثت سمجھے جاتے رہے ہیں جو ہمیں ماضی کے بارے میں اہم معلومات فراہم نہیں کرتے ہیں، بلکہ آئندہ آنے والے چیلنجز اور مشکلات سے مقابلہ کرنے کے لئے بھی توجہ طلب مواد فراہم کرتے ہیں، لہٰذا ان مخطوطات کی حفاظت ونگہداری ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے، تاکہ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کے اس قیمتی سرمایہ پر ناز وافتخار کرسکیں اور موجودہ دنیا میں روز بروز رونما ہونے والی ترقیات واختراعات میں نمایاں حصہ داری نبھا سکیں۔

فارسی اور اردو زبان وادب میں کسی مخطوطہ کی تصحیح وتدوین یا ترتیب وتحقیق کی اہمیت ابتدا ہی سے خاصی اہمیت کی حامل رہی ہے، ان زبانوں کے اب تک نہ جانے کتنے مخطوطات منظر عام پر آکر قومی اور بین الاقوامی سطح پر آفاقی وعالمگیری شہرت حاصل کرچکے ہیں، کسی بھی مخطوطے کی درست تصحیح وتدوین کے لیے کچھ اصول وقواعد کی پابندی لازمی ہے تاکہ کسی بھی مخطوطے میں موجود حقائق کو زیادہ سے زیادہ منظر عام پر لایا جاسکے، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ تحقیق یا ریسرچ کا بنیادی مقصد حقائق کی تلاش، سچ کی جستجو، مناسب انداز سے واقعات کو ترتیب دینا اور خالص منطقی انداز سے نتائج نکالنا ہوتا ہے۔ مخطوطہ شناسی کے لیے تحقیق کے ہمہ بنیادی اصولوں سے واقفیت رکھنا بھی ضروری ہے۔ حواشی، مقدمہ، متن کا زمانہ تصنیف، مصنف اور اس کے عہد سے متعلق ضروری معلومات، داخلی شواہد کا تعین وغیرہ کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا جاننا ہر محقق اور مخطوطہ شناس کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس بات سے کوئی بھی صاحب فہم انکار نہیں کرسکتا ہے کہ تصحیح وتدوین وتنقید مخطوطہ پر اس وقت تک کوئی دسترس

وکمال حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ تحقیق ک وتنقید کا مزاج نہ رکھتا ہو، تدوین کے عمل کے لیے مخطوطہ شناسی انتہائی ضروری ہے۔ چوں کہ تدوین تحقیق سے آگے کی منزل ہے اس لیے تدوین کے لیے مخطوطہ شناسی کو کافی اہم قرار دیا جاتا ہے۔ تحقیق کی طرح تدوین کے لیے بھی مخصوص مسائل، آداب اور ضابطے ہیں۔ اور اس کے لیے مخطوطہ شناسی کا علم سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔یہ مخطوطات انسان کی انفرادی اور اجتماعی لغزشوں فروگزاشتوں اور خطاؤں کے عکاس ہوتے ہیں جن سے آئندہ نسلوں کے افراد اور ابھرنے والی اقوام درس عبرت حاصل کرتی ہیں اور زندگی میں کامیابی کے لئے رہنما اصول مرتب کرتی ہیں۔ مخطوطہ شناسی یا تحریر شناسی ایک ہمہ گیر اور وسیع شعبۂ علم ہے جس کی اہمیت و افادیت از زمان گذشتہ تاعصر حاضر مسلم رہی ہے۔ البتہ یہ شعبۂ علم جس قدر ناگزیر ہے اسی قدر اس کی تلاش و جستجو، قرأت و مطالعہ اور اصول وضوابط دشوار کن اور اعصاب شکن بھی ہے۔

خطوطے میں مندرج حواشی، مقدمہ، متن کا زمانۂ تحریر، مصنف اور اس کے عہد سے متعلق ضروری معلومات، داخلی شواہد کا تعین وغیرہ ایسے امور ہیں جن پر خاطر خواہ توجہ صرف کرنانہایت ضروری ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو تدوین پر اس وقت تک دسترس نہیں ہو سکتی جب تک وہ تحقیق کا مزاج نہ رکھتا ہو۔ تدوین کے لیے مخطوطہ شناسی انتہائی ضروری شرط ہے۔ چونکہ تدوین تحقیق سے آگے کی منزل ہے اس لیے تدوین کے لیے مخطوطہ شناسی کو کافی اہم بلکہ لازم قرار دیا جاتا ہے۔ تحقیق کی طرح تدوین کے لیے بھی مخصوص مسائل، آداب اور ضابطے ہیں جس کے لیے مخطوطہ شناسی کا علم بے حد ضروری ہے۔ جب کسی مخطوطے کو موضوع بنایا جاتا ہے تو اس کی اصلیت یا اسناد کے بارے میں سب سے پہلے اطمینان کرنا بہت زیادہ اہم ہے۔ مخطوطہ شناسی کا علم صرف تاریخی اور ادبی نقطہ نظر سے ہی اہم نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے ان مخطوطات اور قلمی نسخوں کا تعلق بہت گہرا اور راسخ ہے، یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ مخطوطہ شناسی کا عمل نہایت ہی وقت طلب، مشکل اور دشوار کن ہے، کسی بھی مخطوطے کو مرتب کرنے کا مقصد محض ایک کتاب کو گمنامی کے اندھیروں سے نکال کر شائع کر دینا ہر گز بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا اصل مقصد، پوشیدہ حقیقتوں کو مستند و معتبر دلائل وبراہین سے ثابت کرتے ہوئے انھیں درست طریقے منظر عام پر

لانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس فن میں عروج و کمال حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ طور پر ذہنی مشق اور مسلسل جاں فشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور زمانہ موجودہ میں چونکہ مخطوطہ شناسی اور تحقیق کا کام ہماری اپنی ہی غفلت اور ناقدری کا شکار ہو گیا ہے، اس لیے اہل علم و ہنر نے بھی اس کام کی طرف سے بے اعتنائی اور بے نیازی اختیار کر لی ہے بقول شاعر ''اس نے نظر جو پھیر لی ہم نے بھی جام رکھ دیا'' لیکن موجودہ وقت کی تمام تر ناسازگاری و نامساعدی حالات کے باوجود یہ بات ہمارے لیے باعث تقویت ہے کہ آج بھی بہت سے بے لوث محققین، بے غرض مدون اور دانشور ضرور ایسے موجود ہیں اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، جو گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا کیے بغیر اس بے انتہا مشکل، دشوار اور پیچیدہ کام کو سر کرنے میں مستغرق و منہمک ہیں لیکن افسوس کہ اب اردو اور فارسی زبان وادب کے ان خاموش اور بے لوث خدمت گاروں کی تعداد روز بہ روز کم ہوتی جا رہی ہے جو بہت تشویش ناک بات ہے اور ہمیں اس سلسلے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے بہر حال یہ ایک طول و طویل بحث ہے، جس پر پھر کسی وقت گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں میں اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے سب سے پہلے مخطوطہ شناسی کے فن سے متعلق بعض بے حد اہم اور ضروری اصطلاحات کے بارے میں سرسری طور پر بات کروں گی، کسی بھی مخطوطے خصوصاً فارسی یا اردو زبان میں تحریر کیے گئے مخطوطات کی تصحیح و تدوین کرتے وقت ہمارے ذہن میں ان اصطلاحات کے درست معنی اور مفہوم واضح ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا نام تملیک کا لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تملیک:

لفظ ''تملیک'' عربی زبان کے ملک سے نکلا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے ملکیت ہونا، کسی چیز کا مالک ہونا یا کسی شے پر اپنا پورا حق ہونا، مخطوطہ شناسی کے عمل میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی قلمی نسخہ، جس شخص کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو تملیک کہا جاتا ہے، تملیک میں قلمی نسخہ کا نام مختلف مقامات پر آتا ہے اور فارسی یا اردو زبان

کے مخطوطات میں تملیک عام طور پر چہرہ پر درج کیا جاتا ہے جس سے آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مخطوطہ کس کی ملکیت ہے۔

۲۔ چہرہ:

''چہرہ'' کا لفظی مطلب صورت، چہرہ اور مکھڑا ہوتا ہے، مخطوطے میں چہرہ سے مراد، وہ سرورق ہوتا ہے جس پر اس نسخہ کا نام، مصنف کا نام، نقش و نگار، مصوری کے اعلیٰ نمونے وغیرہ دیکھنے کو ملتے ہیں، یہ تمام لوازمات ہمیں مخطوطے کے سرورق پر نظر آتے ہیں، عرض دیدہ کی مہریں اوراسناد وغیرہ بھی اسی صفحہ پر ثبت کی جاتی ہیں اسی لیے اس کو چہرہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ عرض دیدہ نسخہ:

''عرض دیدہ'' سے مراد ''دیدہ شد'' یعنی دیکھا ہوا۔ عرض دیدہ کی یہ اصطلاح مغل عہد میں قدرے کثرت سے رائج تھی، جب مغل بادشاہوں کے پاس، کسی شاعر یا مصنف کے قلمی نسخہ کو لے کر آتے تھے، تو بادشاہ ان پر نظر ثانی کر کے، اس پر عرض دیدہ کی مہر ثبت کر دیتے تھے، ہمیں مغل عہد کے بے شمار قلمی نسخے دیکھنے کو مل جائیں گے، جن پر اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور بہادر شاہ ظفر تک کے عہد کی مہریں ثبت کی گئی ہیں جو ہمیں اکثر ان مخطوطوں کے اول یا آخر کے صفحات میں دیکھنے کو ملتی ہیں جن کا مطلب بادشاہ کا دیکھا ہوا ہوتا ہے۔

۴۔ ترک، رکاب، پاورق، خارجہ:

اگر فارسی یا اردو مخطوطات کے حوالے سے مذکورہ بالا الفاظ کی بات کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے وہ الفاظ جو کاتب صفحہ تمام ہو جانے کے بعد، صفحے کے آخیر کونے میں صفحہ آیندہ کی شروع کی عبارت میں لکھ دیتے ہیں، اور ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ پڑھنے والے کو یہ پتہ رہے کہ یہ آئندہ صفحہ ہے، عموماً قدیم عہد کی فارسی قلمی کتابوں میں صفحہ

نمبر درج نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ دائیں ہاتھ کے صفحہ کے نیچے بائیں کونے میں اگلے صفحہ کی ابتدا کے ایک دو لفظ لکھ دیئے جاتے تھے، انھیں کو "ترک"، "رکاب"، "پاورق" اور "خارجہ" وغیرہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔

۵۔ حوض:

"حوض" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی پانی جمع کرنے کی جگہ ہے، جو قدرتی طور پر یا انسانوں کی مدد سے بنائی گئی ہو۔ مخطوطات میں حوض سے مراد صفحے کے متن والے حصے کے چاروں طرف بنا ہوا چوکھٹا یا حاشیہ کو حوض کہا جاتا ہے. بعض اوقات کسی صفحے پر یہ حوض یا حوضہ صرف تین طرف ہوتا ہے یعنی دائیں، بائیں اور نیچے کی طرف، اور بعض قلمی نسخوں میں چاروں طرف بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

۶۔ باریکہ:

باریکہ کا لفظی مطلب باریک بالوں والے قلم کے ہوتے ہیں جس کی مدد سے مصور باریک خط کھینچتے ہیں، مخطوطہ شناسی میں باریکہ سے مراد حاشیہ، کنارہ، یا وہ باریک لکیر ہے جو متن کے علاوہ کتاب کے صفحات کے کناروں پر کشیدہ کیا جاتا ہے، عام طور پر یہ باریکہ حواشی اور اصل متن کو الگ کرتا ہے اور اگر ہم فارسی مخطوطات کی بات کریں تو ہمیں باریکہ کا استعمال خاصی فراوانی کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے۔

۷۔ حاشیہ، حواشی اور تحشیہ:

حاشیہ، حواشی یا تحشیہ کسی بھی متن کی تصحیح کرتے وقت بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کسی متن کے ساتھ دی گئی اضافی معلومات یا وضاحت یا تشریح۔ حاشیہ واحد ہے جبکہ حواشی اسی کی جمع ہے اور تحشیہ بھی لگ بھگ انھیں معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ان کا استعمال کسی کتاب، مضمون یا کسی بھی تحریر میں کسی خاص لفظ، جملے یا پیراگراف کی وضاحت یا تشریح کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ معلومات متن کے نیچے کی طرف، کتاب کے آخر میں یا پھر کسی الگ جگہ پر دیا جاتا ہے۔

۷۔ رسم الخط:

"رسم الخط" سے مراد کسی زبان کو لکھنے کے لیے استعمال ہونے والے علامات کا نظام ہے، رسم الخط وہ طریقہ ہے جس میں خیالات اور معلومات کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے اور پھر دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے، دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ رسم الخط سے مراد کسی زبان کو لکھنے کا ایک مخصوص طریقہ یا نظام ہے۔ رسم الخط وہ علامات اور قواعد ہیں جنہیں لکھ کر خیالات او معلومات کو محفوظ اور منتقل کیا جاتا ہے۔

۸۔ناقص الاول نسخہ:

"ناقص الاول نسخہ" اس نسخہ یا مخطوطہ کو کہا جاتا ہے، جس کتاب کا ابتدائی حصہ ناقص ہو یعنی مکمل نہ ہو، یہ اصطلاح عام طور پر کسی ایسے قلمی نسخے کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس نسخے کے ابتدائی صفحات کرم خوردہ ہو گئے ہوں یا پھٹ گئے ہوں یا پھر غائب ہو گئے ہوں، یعنی جب کسی نسخہ کے سرورق یا ابتدائی صفحات کسی وجہ سے الگ ہو گئے ہوں اس قسم کے نقص کی وجہ سے مخطوطہ ناقص الاول نسخہ کہلاتا ہے۔

۹۔ناقص الاوسط نسخہ:

جیسا کہ اس کے نام سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "ناقص الاوسط نسخہ" ایسے مخطوطات کو کہا جاتا ہے جس نسخہ کے درمیان کے صفحات میں نقص پایا جاتا ہو یا وہ اصل کتاب سے نکل گئے ہوں یا خراب ہو گئے ہوں اس قسم کے مخطوطات کو ناقص الوسط یا ناقص الاوسط نسخہ کہلاتا ہے۔

۱۰۔ناقص الآخر نسخہ:

"ناسخ الآخر نسخہ" سے مراد وہ قلمی نسخہ یعنی مخطوطہ ہوتا ہے جس نسخہ کے آخری صفحات میں کسی قسم کا کوئی نقص یا خامی وغیرہ پائی جاتی ہو، بالفاظ دیگر کسی مخطوطے کو پانی، دھوئیں وغیرہ سے اس کے صفحات خراب ہو گئے ہوں، یا پھر کسی وجہ سے اصل کتاب سے الگ ہو کر غائب ہو گئے ہوں اس قسم کی کتابوں کو عام طور پر ناقص الاخر نسخہ کہا جاتا ہے۔

۱۱۔ناقص الطرفین نسخہ:

نسخہ اول وآخر کے نقص کی وجہ سے کوئی نسخہ ''ناقص الطرفین نسخہ''کہا جاتا ہے۔یعنی ایسے نسخے جو دونوں جانب سے نامکمل، ادھورا یا خراب، ناقص ابتدا اور انتہا والا، یعنی وہ کتاب یا قلمی نسخہ جو بیک وقت ناقص الاول اور ناقص الآخر ہو،یعنی ابتدائی صفحات اور آخری صفحات کسی سبب سے خراب ہو گئے ہوں یا پھٹ گئے ہوں اس قسم کے قلمی نسخے کو ناقص الطرفین نسخہ کہا جاتا ہے۔

۱۲۔آب دیدہ نسخہ:

''آب دیدہ نسخہ''ایسے قدیم نسخے کو کہا جاتا ہے۔جو پانی کی بوندیں وغیرہ پڑنے کی وجہ سے خراب ہو گیا ہو اور اس کو پڑھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے یعنی پانی کی وجہ سے خراب شدہ مخطوطہ کو آب دیدہ نسخہ کہا جاتا ہے۔

۱۳۔آتش دیدہ نسخہ:

جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ ''آتش دیدہ نسخہ''عام طور پر ایسے نسخہ کو کہا جاتا ہے جو آگ یا دھوئیں وغیرہ کی وجہ خراب ہو گیا ہو اس میں وہ تمام نسخے شامل ہوتے ہیں جو آگ یا دھوئیں کی وجہ سے پڑھنے میں نہ آتے ہوں۔

۱۴۔کرم خوردہ نسخہ:

کرم خوردہ نسخہ سے مراد وہ نسخہ ہوتا ہے جو درست نگہداشت نہ ہو پانے کے سبب، کیڑے مکوڑوں کے ذریعے خراب کیا گیا ہو یعنی ایسی قلمی کتاب جس کو دیمک یا دیگر کیڑے مکوڑوں نے چاٹ لیا ہو اور محقق کے لیے اس کا پڑھنا دشوار ہو، کرم خوردہ نسخہ کہلاتا ہے۔

۱۵۔خوانا وناخوانا نسخہ:

جیسا کہ اس کے نام سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ایسا نسخہ جس کو پڑھا جا سکے اس کو''خوانا''نسخہ کہتے ہیں اور ایسا مخطوطہ جس کو پڑھا نہ جا سکے اس کو''ناخوانا''نسخہ کہا جاتا ہے۔

۱۶۔نسخہ دریدہ:

ایسا نسخہ جو بہت خراب حالت میں رہا ہو یا پھر اس کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کو دوبارہ کسی نے جلد کیا ہو یا اس کی صحت و درستگی کی ہو، یعنی اگر طول و طویل عرصہ گزر جانے کی وجہ سے کوئی نسخہ خراب ہو گیا ہو اور بعد میں اس کی جلد سازی کی گئی ہو ایسے نسخے کو عام طور پر ''دریدہ نسخہ'' کہا جاتا ہے۔

۱۷۔انجامہ یا ترقیمہ:

قدیم نسخوں کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بعض مخطوطے کے آخر میں کاتب کی جانب سے اختتامیہ عبارت رقم کی جاتی تھی جس کو انجامہ یا ترقیمہ کہا جاتا ہے، اس میں کاتب کا نام، قلمی نسخہ کے مصنف یا فرمایش کنندہ کا نام، زمان و مکان، کتابت، اختتامی شعر وغیرہ درج کیا جاتا ہے فارسی و اردو کی قدیم کتابوں یا مخطوطات کے آخر میں اکثر انجامہ یا ترقیمہ دینے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

فارسی اور اردو مخطوطہ شناسی کے مسائل:

فارسی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے، اس دنیا کی تاریخ میں اس شیرین و دلنشین زبان کی جڑیں بہت گہری اور بڑی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس زبان کی موجودہ شکل فنکاروں کی برسہا برس کی محنت و ریاضت اور دانشوروں کی مسلسل جہد و کوشش کا ثمرہ ہے، اس زبان و ادب کے اصول و قواعد اور شعر و شاعری نے مختلف ادوار میں ارتقا و عروج پایا ہے، اس زبان کی تاریخ چونکہ ہزاروں سال پر محیط ہے اس لیے اس کے ادب پر کام کرنا بھی اسی قدر مشکل اور پیچیدہ ہے کیونکہ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ جس زبان کا ادب جتنا زیادہ قدیم ہوتا ہے اس کی تفہیم و افہام میں اتنے ہی زیادہ مسائل، مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں فارسی زبان و ادب کی قدامت سے بھی اپنی جگہ مسلم ہے اس لیے اس زبان کی کتابوں کی جمع و تدوین یا تحقیق و تنقید میں بھی محقق یا مخطوطہ شناس کو بڑے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور اکثر اوقات تو محقق کے تمام تر غور و فکر اور جہد و کوشش کے باوجود بھی تسلی بخش نتائج

بر آمد نہیں ہو پاتے ہیں یہاں پروفیسر شریف حسین قاسمی کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ قدیم ترین نسخوں پر کام کرنا کس قدر مشکل اور پیچیدہ عمل ہے وہ لکھتے ہیں:

''فارسی زبان اور اس کے ادب کی قدامت بھی مسلم ہے، اس لیے یہاں بے شمار مسائل ہیں، ایک بڑی تعداد ہے ایسے شعرا، ادبا، عرفا اور دیگر صاحبان علم و دانش ہیں، جن کی جائے پیدائش ، تاریخ ولادت ووفات اور جای وفات کا علم نہیں ، فردوسی ،سعدی ، حافظ وغیرہ فارسی زبان وادب کے لات ومنات ہیں، ان کی تاریخ ولادت ووفات میں بھی اختلاف ہے ، اسی طرح بعض کتابوں کے مصنفین کا علم نہیں، باقاعدہ مرتبہ کوئی بھی فارسی متن اٹھالیجئے، حواشی میں اختلاف نسخ کی بھرمار نظر آئے گی''[۶]

مخطوطات چاہے وہ فارسی میں ہوں یا اردو میں یا پھر کسی اور زبان میں ، ان کی ارزش و اہمیت اور قدر و قیمت اظہر من الشمس ہے، اور یہ ہی سبب ہے کہ مخطوطات ہر زمانے میں دانشوں، محققین اور مفکرین کی توجہ اپنی جانب کھینچتے رہے ہیں، لیکن یہ بھی ایک بہت تلخ بلکہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں اس پل پل رنگ بدلنے والی دنیا، اور نئے زمانے کی چکاچوند نے ان مخطوطات پر گویا گرد و غبار کی دبیز تہہ چڑھادیں ہیں جس کی وجہ ہماری نئی نسل ان کی عظمت و اہمیت سے کماحقہ واقفیت حاصل نہیں کر پارہی ہیں، لیکن علم وادب کی اس کساد بازاری کے پر آشوب حالات میں بھی یہ بات ہمارے لیے باعث تقویت ہے کہ اب بھی یہ مخطوطہ شناسی ماضی کی نہائت مضبوط و توانا اور علمی و ادبی، تہذیبی روایت کی امانت دار ہے، اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ مخطوطہ شناسی نے اپنی بے پناہ اثر انگیزی، علمی قوت اور ادبی تابندگی سے، ہمارے ملک کے تہذیبی سفر کو بے پناہ برنائی اور توانائی بخشی ہے اور عہد گذشتہ کی یادگار یا یاداشت کے طور پر ہماری یہ جاندار اور شاندار مخطوطہ شناسی کی روایت انسانی اذہان و قلوب کے لیے تدبر و تفکر اور غور و فکر کا نیا اوت تازہ سامان فراہم کرتی رہے گئی یہ مخطوطات ہمارے قومی تشخص کے لیے بہت زیادہ اہمیت اور عظمت

کے حامل ہیں، لہٰذا ان مخطوطات کا تحفظ، نگہداری اور ان کو ڈیجیٹلایز شکل میں پیش کرنا بلاشبہ ہماری آنے والی نسلوں پر بڑا احسان اور منفعت بخش ثابت ہو سکتا ہے۔ اب میں مندرجہ ذیل سطور میں مخطوطہ شناسی سے متعلق بعض بہت ہی اہم اور بنیادی قواعد وضوابط کے متعلق نشان دہی کرنے کی کوشش کروں گی، جو کسی بھی مخطوطہ شناس کے لیے، اردو وفارسی یا عربی وغیرہ کے قلمی نسخے کی تلاش و تحقیق اور ترتیب و تدوین کرتے وقت بے انتہا ضروری بلکہ بعض اوقات لازم تصور کی جاتی ہیں اور ان کی درست جان کاری کے بغیر مخطوطہ کی تصحیح و تدوین کا کام درست طریقے سے اپنے انجام کو نہیں پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی ادبی و تحقیقی لحاظ سے اس کو مخطوطے کو کوئی نمایاں مقام و مرتبہ دیا جا سکتا ہے۔

مخطوطہ شناسی کے بنیادی اصول وضوابط:

مخطوطہ شناس پھر چاہے وہ اردو زبان کے کسی مخطوطے کی تصحیح کر رہا ہو یا پھر فارسی زبان کے، اس کو مختلف علوم اور گوناگوں فنون پر کامل دستگاہ حاصل ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ ایک سطحی ذہن اور عام فہم مخطوطہ شناس اس۔ ایک کامیاب مخطوطہ شناس اس فن کے ہمہ تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیابی و کامرانی حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا مخطوطہ شناس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیک وقت محقق بھی ہو ناقد بھی، مورخ بھی ہو مدبر بھی، ماہر لغت ہو سکّہ شناس بھی، خط شناس ہو اور کتبہ شناس بھی،، دقیق بین ہو دور اندیش بھی، مہر شناس ہو اور تصویر شناس ہونے کے ساتھ ساتھ کاغذ شناس، روشنائی شناس، صاحب نظر، دقیق الفکر اور نقش و نگار وغیرہ کا بھی ماہر ہو۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ اس کو مختلف ادوار کے اسالیب اور اسٹائل ادب سے بھی واقفیت ہونا چاہیے۔ جب بھی کوئی سنجیدہ مزاج اور ادب شناس مخطوطہ شناس کسی مخطوطہ پر کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کام کی ابتدا کیسے اور کہاں سے کی جائے اور پھر کس طرح اپنے کام کو بتدریج آگے بڑھایا جائے کہ وہ کام آسانی کے

ساتھ اختتام پذیر ہو سکے، لہٰذا جب تک محقق کو مخطوطہ شناسی کے بنیادی اصول و قواعد کے متعلق آگاہی حاصل نہیں ہو گی تب تک وہ اپنی تحقیق و تدوین سے کوئی نتیجہ بخش اور خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کر سکے گا یہ ہی سبب ہے کہ محقق کے لیے مخطوطہ شناسی کے بنیادی اصولوں سے متعلق آگاہی بے حد ضروری بلکہ لازم ہے اس فن سے عہدہ بر آں ہونے کے لیے کون کون سے بنیادی اصول وضوابط یا نکات وجہات ذہن نشین رکھے جانا ضروری ہے اس کا مختصراً ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے:

مخطوطہ شناس کا جس مخطوطے کا بھی ترتیب و تصحیح کرنے کا ارادہ ہو تو، سب سے پہلے زیر نظر مخطوطے کو عقل کی کسوٹی پر اچھی طرح جانچ پرکھ یعنی غور و فکر کر لے، کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک کتاب کے مختلف مخطوطے اور پھر ان کے بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مثلا حجم مختلف ہونا، تاریخ میں اختلاف ہونا، ناسخ کا الگ ہونا یا نسخہ کا کامل و ناقص ہونا وغیرہ، لہٰذا اگر کسی مخطوطے میں سنین یا اس کے بنیادی و ثانوی نسخے کا مسلہ ہو تو اس عہد میں رواج پانے والے الفاظ اور ایجادات سے مدد لے کر اس کے زمانے کا تعین کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے، کسی بھی زبان کے مخطوطے کی درست شناخت و تعین کے لیے مخطوطہ شناس یا محقق کو داخلی شہادت سے کام لینا چاہیے، اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو پھر تو خارجی شواہد کی روشنی میں بھی نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ داخلی ذرائع میں زیر بحث مخطوطہ کا دیباچہ اور متن کی اہمیت وافادئیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ خارجی شواہد میں ہمیں اس زمانے کی معتبر شہادتیں، تاریخی کتب، تذکرے، بیاضیں اور دیگر یادداشتیں وغیرہ سے مدد لینی پڑتی ہے ہیں، کبھی کبھی کتاب یا نسخے میں مصنف کا نام درج نہیں ہوتا، نام نہ ہونے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً شاعر یا مصنف از راہِ عاجزی و انکساری اپنا نام نہیں لکھتا ہے یا اگر لکھتا بھی ہے تو صرف پہلے صفحے پر اور اگر وہ پہلا صفحہ کسی وجہ سے کتاب سے الگ ہو جائے تو کتاب کے مصنف کی شناخت کا مسلہ ایک بڑا مسلہ بن کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اس کے علاوہ بعض اوقات حکمران وقت کے عتاب و قہر سے بچنے کے لیے بھی بعض اوقات نام کو پردہ خفا میں رکھا جاتا تھا۔ لہٰذا اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں مخطوطے کے عنوان اور موضوع کو غیرہ کو دیکھ کر اس کے فن کے مطابق اس کے مصنف کا نام معلوم

کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اکثر مخطوطات کی فہرست، سند اور ترقیمہ وغیرہ کی مدد سے بھی مصنف کا نام معلوم کیا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک اور اہم نکتہ ذہن میں رکھے جانا چاہیے کہ کسی مخطوطہ کی کئی اقسام ہو سکتی ہیں مثلاً کوئی قلمی نسخہ، بیاض، مکتوب، سفینہ، جنگ، طبقات، مرقع، کشکول، کراسہ، مقالہ اور اسی قبیل کی دوسری بہت سی شکلوں میں ہو سکتا ہے یا پھر نثر کے بجائے نظم کی مختلف اصناف سے متعلق ہو سکتا ہے، لہٰذا ایک بار پھر وہ ہی سوالات اٹھتے ہیں کہ کسی بھی مخطوطے کی درست طریقے سے کس طرح شناخت کی جائے؟ اس کو پرکھنے کے لیے کیا میزان و معائیر قائم کیے جائیں؟ اس کی درست قدر و قیمت کا تعین کیسے کیا جائے؟ یا اس کو علم وادب کے کس زمرے میں رکھا جائے وغیرہ جیسے نہ جانے کتنے سوالات ہمارے ذہن میں شک و شبہات پیدا کرتے ہیں، ایک محقق یا مخطوطہ شناس کے لیے ان تمام سوالات کے جوابات سے آگاہی اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب تک آدمی کسی چیز کی صحیح پہچان نہ رکھتا ہو اس وقت تک اس کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کی جا چکا ہے کہ مخطوطات کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں، ان میں سب سے پہلی قسم میں نسخہ اصلیہ کو رکھا جاتا ہے یہ نسخے کی وہ قسم ہوتی ہے جس کو مصنف نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا ہو ہے اس نسخہ میں شبہات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ نسخہ اصلیہ کے بعد اس قلمی نسخہ کو سب سے زیادہ معتبر، بہتر اور مستند سمجھا جاتا ہے جو کہ اصلی نسخہ سے نقل کیا گیا ہو۔ اس کے بعد پھر ان نسخوں کا نمبر آتا ہے، جنھیں اصلی یا ثانوی نسخوں سے نقل کر کے تیار کیا گیا ہو۔ یہ مخطوطات در حقیقت بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لیے مصدر اور سرچشمے کا کام کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ قبلاً بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ تدوینِ مخطوطہ کا پہلا اور بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ جس کسی بھی مخطوطے کے متن کی تصحی و تدوین کا ارادہ ہو اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح سے معلومات کو حاصل کر لی جائے کہ اس کے کتنے نسخے ہیں اور کہاں کہاں ہیں ان کی ایک فہرست بنالی جائے۔ اور جہاں جہاں بھی اس کتاب نسخے موجود ہوں، مصحح کو وہاں وہاں تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہیے۔ اس عمل میں مختلف زمانوں میں پائی جانے والی مختلف قسم کی مہریں

اور اسناد وغیرہ بھی ہماری معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ اردو اور فارسی کے مخطوطوں میں عام طور پر یہ مہریں، دستخط اور اسناد وغیرہ قلمی کتابوں کے شروع یا آخر میں پائی جاتی ہیں جو علمی و تحقیقی لحاظ سے نہایت اہم ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے بعض اوقات تو بڑی دل چسپ اور تاریخی معلومات بھی ہمیں حاصل ہوتی ہے جو دیگر ذرائع سے ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی ہیں، مہروں اور اسناد وغیرہ کی بناوٹ، لمبائی چوڑائی اور موٹائی وغیرہ کے سلسلے میں بھی مخطوطہ شناس کو پوری طرح سے علم ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ کسی مخطوطہ کی تصحیح، تدوین یا پھر تحقیق کا ایک بنیادی اور اہم اصول یہ بھی ہے کہ دستیاب شدہ تمام نسخوں کے متعلق جان لینے کے بعد انھیں میں سے چند نسخوں کو تدوین و تحقیق کے لیے منتخب کر لیا جائے اور کام کا آغاز کیا جائے۔ مان لیجئے کہ اگر ہمیں کسی مخطوطے کے دس نسخے دستیاب ہو گئے ہیں تو سب سے پہلے ہم ان میں سے دو، تین یا چار نسخوں کا انتخاب کرنا پڑے گا اور دوران انتخاب یہ دیکھنا ہو گا کہ ان میں سے کتنے نسخے ایسے ہیں، جو مصنف کے اپنے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں یا پھر اس کے عہد کے زیادہ قریب ہیں، لہٰذا ایسے نسخوں کا انتخاب کیا جائے۔ اس کے بعد دستیاب شدہ نسخوں میں سب سے زیادہ بہتر، معتبر اور مستند قلمی نسخہ کی درجہ بندی کر لی جائے۔ اور جب اس مرحلے سے فراغت حاصل ہو جائے یعنی جب نسخوں کا درست انتخاب ہو جائے، تو انھیں انتخاب شدہ نسخوں میں سے کسی ایک کو بنیادی نسخہ بنا کر تصحیح و تدوین کا کام باقاعدہ طور پر شروع کیا جائے اور اس کے بعد، مدون یا محقق حاصل شدہ تمام نسخوں کے متن کو خوب دقیق بینی اور بیدار مغزی کے ساتھ آپس میں موازنہ کرے اور الگ الگ مخطوطات کی عبارتوں کو آپس میں مقائسہ و مقابلہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرے کہ دستیاب شدہ تمام نسخوں کی عبارت ایک جیسی ہی ہے یا پھر ان عبارتوں کے مابین کسی قسم کا کوئی تفاوت و تفریق پائی جاتی ہے۔ اگر الگ الگ نسخوں کی عبارتوں میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ نظر آئے تو، ہو تو پھر کوئی مسلہ ہی نہیں ہے، لیکن اگر الگ الگ قلمی کتابوں کی عبارتوں کے مابین کسی قسم کے کوئی اختلاف موجود ہوں تو پھر مصحح یا مدون کو چاہیے کہ وہ ان تفاوت و تفاریق کو حاشیے میں ضرور نقل کر دے اور اگر کہیں کسی لفظ کو واضح کرنے کی ضرورت ہے تو اس سے بھی چشم پوشی اختیار نہ کرے اور

حواشی میں تشریح طلب لفظ یا جملے کی درست طریقے سے وضاحت کر دے یے تا کہ اس کے افہام اور تفہیم میں کسی قسم کے شک وشبہات کے سبب کوئی مشکل یا غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

مخطوطہ شناسی کا ایک اور اہم مرحلہ حواشی ڈالنے کا ہوتا ہے، کسی مخطوطہ شناس کی فہم وفراست کا درست اندازہ اس کے حواشی سے بھی لگایا جا سکتا ہے، اگر دستیاب شدہ نسخوں کے درمیان کسی قسم کے کوئی اختلافات یا تفاریق پائی جاتی ہوں، تو ان تفاوق کو بیان کرنے کے لیے، کتاب میں نیچے کی طرف حواشی ڈال دیئے جاتے ہیں۔ فارسی واردو کی کتابوں کی تصحیح وتدوین کرتے وقت عام طور پر حاشیہ درج کرنے کے دو طریقے رائج رہے ہیں؛ یعنی حواشی ڈالنے کا پہلا اور سب سے قدیم طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس صفحے کا حاشیہ ہے اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں نمبر ڈال کر حاشیہ اسی صفحہ پر تحریر کر دیا جاتا ہے جبکہ دوسرا طریقہ جو قدرے آسان اور سلیس ہے کہ متن میں تشریح طلب مقامات پر حاشیہ نمبر ڈالتے جائیں اور تمام حواشی ایک ساتھ کتاب کے اخیر میں درج کر دیا جائے۔ اور اگر کوئی مدون، محقق یا مصحح کسی قدیم شاعر یا ادیب کے مخطوطے کی جمع آوری یا تدوین وتحقیق کرنا چاہ رہا ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے وہ فرہنگ سازی کا خصوصی اہتمام کرے۔ فرہنگ سازی کا مطلب یہ ہے کہ متعلقہ مخطوطے کے مشکل وپیچیدہ الفاظ، نامانوس اصطلاحات وترکیبات، مشکل تلمیحات، نامانوس اور متروک الاستعمال الفاظ کے معنی، تشریح اور مفہوم کی اچھی طرح وضاحت کر دے تا کہ عام فہم قاری کے لیے اس کے متن کا معیار سمجھنا قدرے آسان اور سلیس ہو جائے اور وہ بذات خود کسی قسم کی رائے قائم کرنے کا اہل ہو سکے۔ اس کے علاوہ مخطوطہ پر کام کر رہے دانشور کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قلمی نسخے میں بروئے کار آنے والے مختلف النوع محاوروں کا مفہوم، متن میں استعمال میں لائے جانے والے مشکل کلمات وتراکیب، مبہم مصرعے یا اشعار، پیچیدہ فقروں کی تشریح وتوضیح بھی کیے جانا بے حد ضروری ہے تا کہ ایک عام فہم قاری کے لیے بھی اس کے مفاہیم اور مطالب تک پہنچنا آسان ہو جائے اور وہ بھی اس کے افادی پہلوؤں سے مستفیض ہو سکے۔

مخطوطہ شناس کے لیے ایک اور اہم مرحلہ، متن کی قرأت خوانی کا بھی ہوتا ہے کیونکہ اگر مخطوطے کی تصحیح وتدوین کرتے وقت اس کو درست طریقے سے نہ پڑھا جائے یا اس کو پڑھنے میں کسی قسم کی لاپرواہی برتی جائے تو اکثر بڑی فاش غلطیاں بھی سرزد ہو سکتی ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ ماضی میں بعض مخطوطہ نگاروں کی معمولی غلطیوں یا سہل پسندی کے سبب ادب کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے، لیکن یہاں اس بات پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی مخطوطے کے متن کا درست طریقے سے پڑھنا جس قدر اہم اور ضروری ہے، اسی قدر دشوار، پیچیدہ اور دشوار بھی ہوتا ہے، چونکہ بعض مخطوطات اس قدر خراب، خستہ اور بوسیدہ حالت میں ہم تک پہنچتے ہیں جن کو پڑھنا بعض اوقات ناممکن محسوس ہوتا ہے، ان مخطوطات میں کاتب کی طرف سے لغزشوں اور اغلاط کی بھرمار ہوتی ہے۔ ایسی صورت حال میں مخطوطات کو سینکڑوں ایسے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے جہاں غلط الفاظ کی تصحیح وتوضیح بڑی ہی مشکل ہو جاتی ہے اور مدون یا محقق کو درست متن کو سمجھنے کے لیے نئے نئے زاویوں سے متن کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور بڑی غور وفکر کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہزار ہا غور وفکر کے باوجود بھی کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہیں ہو پاتا ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر محقق کو اپنے قیاس کی بنیاد پر ہی اپنے کام کو آگے بڑھانا پڑتا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کاتب کی طرف سے سرزد ہونے والی غلطیوں اور لغزشوں کو درست کرنے کے سلسلے میں، علم ریاضی کی طرح مخصوص اصول وقواعد نہیں بنائے جاسکتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں صرف قیاس کی مدد سے ہی کام چلانا پڑتا ہے۔ بعض نسخوں میں کاتب کی طرف سے ترقیمہ بھی درج کیا جاتا ہے، اگر کسی مخطوطے میں ترقیمہ وغیرہ موجود ہو تو اس سے مخطوطہ شناس کو کوئی حتمی فیصلہ لینے میں قدرے آسانی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مخطوطہ شناس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تصحیح متن کے بعد اس کے بارے میں ایک مفصل ومدلل مقدمہ تحریر کرنے کا بھی اہتمام کرے، جس میں اس کتاب اور اس کے متعلق تمام ضروری معلومات کو فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔ جیسے اس مخطوطے کی تاریخی اہمیت، ادبی حیثیت، لسانی تجزیہ، مصنف کی سوانح حیات، کاتب کی ذہانت، تحقیق وتدوین کے

دوران نظر سے گزرنے والے تمام نسخوں کا ذکر، متعلقہ متن کی دریافت و بازیافت ، نتیجہ گیری اور معاونین اور عزیزوں کا شکریہ وغیرہ بھی اسی حصے میں ادا کیا جانا چاہیے۔

مخطوطہ شناس کو کسی بھی مخطوطے کی تحقیق و تدوین کرتے وقت اپنی پوری ادبی سنجیدگی اور ادبی بصیرت کو بروئے کار لانے کی کوشش کرے۔ کسی بھی مخطوطہ کی تحقیق کرتے وقت اس کو پوری گہرائی و گیرائی سے سمجھنے کے لیے انتہائی مہارت و ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر مخطوطہ شناس اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا لاپرواہی اختیار کرتا ہے، تو پھر اس کی تصحیح شدہ متن کو قبول عام حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک کوئی محقق اور مخطوطہ شناس ، مخطوطہ شناسی کے فن سے کماحقہ واقفیت نہ رکھتا ہو، تب تک وہ تحقیق و تدوین کے کام کو بحسن وخوبی انجام دینے میں کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا ہے۔ اونہ ہی قدیم ترین متون، کو اصولِ تدوین و تحقیق کی مکمل پابندی کے ساتھ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ قبول شدہ ہے کہ کسی مستند نسخے کو ماخذ بنائے بغیر کسی اقتباس کو اس اعتماد اور یقین کے ساتھ نہیں پیش کیا جا سکتا کہ اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست ہے۔ اس احساس نے صحتِ متن کی اہمیت کو اور بھی زیادہ بڑھا دیا ہے۔ کسی مخطوطہ شناس کو محض یادداشت یا سماعت پر بھروسہ کرتے ہوئے، متن پیش کرنا یا کوئی نتیجہ اخذ کر دینا بہت ہی سہل اور آسان کام نظر آتا ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے سہل پسندی اس فن کے لیے سم قاتل کی مانند ہے۔ محقق یا کسی بھی مخطوطہ شناس کی یہ بہت اہم اور بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مخطوطے کے متن کے نقطوں، رموز و اوقاف اور اعراب و حرکات کا باریکی اور پوری توجہ کے ساتھ جائزہ لے اور اس کی صحیح قرأت کو نقل کرے تاکہ عام قاری کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو کر راہ راست سے بھٹک نہ جائے۔

وہ لوگ جو مخطوطہ شناسی کے اس منفعت بخش اور پر مغز کام کو کرنے سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں اور ان پر کام کرنے کے خواہش مند ہیں تو ان نشوروں کے علم میں یہ بات ہونا ضروری ہے اور انھیں سنجیدگی و متانت کے ساتھ اس طرف غور و فکر بھی کرنا چاہیے کہ کسی بھی مخطوطہ کی ترتیب و تدوین یا تصحیح و تنقیدِ متن کا مطلب نہ تو کسی مخطوطے کی عبارتوں یا مفاہیم کو تبدیل کرتے ہوئے، انھیں بہتر الفاظ میں نقل کر دینا ہے اور نہ ہی اس کا مقصد یہ ہے کہ

مصنف کے اسلوب کو بدل کر کوئی اور زیادہ بہتر اسلوب اختیار کرنے کی کوشش کی جائے، یا اگر مصنف نے کوئی نظر یہ یا خیال، خلاف واقعہ بیان کیا ہے تو اس کی تصحیح کر دی جائے اور عام لوگوں کی دسترس میں پہنچا دیا جائے، جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی مخطوطہ کی ترتیب و تدوین ایک تاریخی امانت ہے، اس کا اپنا ایک تقدس، حرمت اور انفرادئیت ہوتی ہے، لہٰذا کوئی بھی مخطوطہ اور اس کی عبارات مصنف کی امانت ہوتی ہیں، اپنی جانب سے ان میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی رد وبدل یا تغیر و تبدیلی نا قابل معافی گناہ کے مترادف ہوتا ہے، لہٰذا اپنی جانب سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہیے۔ مخطوطہ شناس کو کسی بھی مخطوطہ کی جمع و تدوین کے وقت مندرجہ ذیل نکات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

۱۔ جلد:

مخطوطہ شناسی کے عمل میں کتاب کی جلد کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ کسی مخطوطے کی جلد کی مدد سے اس کتاب یا دستاویز کی حقیقی عمر یعنی قدامت اور زمانہ کا تعین کرنے میں ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ قدیم دور میں کاغذ کی جلدیں بنانے کے لیے پتلی پتلی لکڑیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تغیرات اور تبدیلیاں پیدا ہوتی چلی گئیں، اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ اس میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور اب پتلی پتلی لکڑیوں اور کاغذ کے بجائے موٹی موٹی کاغذی تہوں کو ملا کر جلد سازی کا کام انجام دیا جانے لگا، اور ان کو آپس میں جوڑ کتابوں کی جلدیں تیار کی ہونے لگیں۔ اور جیسے جیسے زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا ویسے ویسے جلد سازی کے روائتی طریقوں میں بھی بدلاو آتے چلے گئے، اور آج کے زمانے میں تو جلد سازی کے بے شمار نئے اور جدید طریقے ہمارے سامنے آچکے ہیں جن کی مدد سے کتابوں کا محفوظ رکھنا اور بھی زیادہ آسان اور سلیس ہو گیا ہے۔ مذکرہ بالا سطور کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی مخطوطے کے زمانے کا درست تعین کرنے کے لیے جلد سازی کے عہد بہ عہد بدلاؤ اور تطورات کا علم حاصل کرنا بھی بہت ضروری بلکہ بعض اقات تو لازمی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ کاغذ:

مدخطوطہ شناس کے لیے مخطوطے پر کام کرتے وقت کاغذ کی شناخت کرنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے، کیونک تاریخی کتابوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مختلف زمانوں اور ملکوں میں مخطوطہ نویسی کے لیے، مختلف قسم کی کاغذ پائے جاتے ہیں، لہٰذا مختلف ادوار کے کاغذوں کی مروّجہ قسموں سے واقفیت بے حد اہم ہے، کیونکہ ہر عہد اور ہر علاقے کے ،کاغذ کی اپنی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں، مثلاً بغدادی کاغذ مضبوط اور قدرے موٹا ہوتا ہے اور اگر اس پر پانی ڈالا جائے تو اس کی روشنائی دھل جاتی ہے البتہ کاغذ کو کچھ نہیں بگڑتا ہے اور اس کو لکھنے کے لیے دوبارہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اسی طرح سمرقندی کاغذ قدرے چمکدار، پتلا اور چمکدار ہوتا ہے، لہٰذا، مخطوطہ کی پہچان کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اس مخطوطے کے کاغذ کی قسم، رنگ اور ظاہری احوال کو دیکھنا چاہیے تاکہ مخطوطے کی قدامت یا اس کے عہد کے متعلق اندازہ لگانے می قدرے ں آسانی حاصل ہو سکے۔

۳۔روشنائی:

کسی بھی قلمی کتاب کی درست شناخت اور پختہ پہچان کے لیے مخطوطوں کی کتابت کے وقت، روشنائی کی بھی بڑی اہمیت وافادیت ہوتی ہے، روشنائی کی مختلف اقسام ہوتی ہیں اور یہ مخطوطہ کی درست حقیقت واہمیت متعین کرنے میں بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔ قدیم زمانے میں روشنائی مختلف علاقوں کے لوگ مختلف انداز سے تیار کرتے تھے مثلاً کشمیر اور وہاں کے اطراف وجوانب کے لوگ بادام اور اخروٹ کے چھلکوں وغیرہ کو جلا کر روشنائی تیار کرتے تھے۔ یہ بہت وقت طلب، مشکل اور تھکا دینے والا کام ہوتا تھا، جیسے جیسے وقت گزرا تو روشنائی بنانے کے طریقوں میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں اور روائتی طریقے سے ہٹ کر اب رنگین روشنائی حاصل کرنے کے لیے پودوں، پھلوں اور لکڑیوں وغیرہ سے بھی رنگ برنگی سیاہی تیار کی جاتی تھی لہٰذا چنانچہ روشنائی کے عہد بہ عہد علم سے بھی مخطوطے کی شناخت کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ جب ہمارے سامنے کوئی علمی کتاب یا مخطوطہ آئے، تو کاغذ کے رنگ کے بعد ہمیں اس کی روشنائی یا سیاہی کی طرف دھیان دینا چاہیے، کیونکہ روشنائی کا رنگ خود بخود بتا دیتا ہے کہ کسی مخطوطہ کی قدامت کتنی

ہے۔ اگر روشنائی کہیں کہیں سے اڑ گئی ہو روشنائی پھٹی پھٹی ہو تو اس سے مخطوطہ کے زیادہ قدیم ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴۔ زبان سے واقفیت:

کسی بھی مخطوطے کو درست یا صحیح طریقے سے پرکھنے اور سمجھنے کے لیے اس مخطوطے کی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے، جیسا کہ ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ زبان کوئی جامد وساکت چیز نہیں ہے بلکہ وقت وزمانے کی رفتار کے مطابق اس میں بھی مسلسل بدلاؤ آتے رہتے ہیں یعنی گزرتے وقت ک ساتھ زبان میں بھی تغیرات اور تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ان تبدیلیوں اور تغیرات پر کو اپنی گہری نظر رکھنا چاہیے، کیونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے الفاظ کی املا تلفظ اور ہیئت میں فرق آجاتا ہے۔ لہذا ایک محقق کے لیے زبان کی عہد بہ عہد تبدیلیوں سے آگاہی ضروری ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ زبان کی ہر دور کی خصوصیات کے بارے میں کماحقہ واقفیت رکھتا ہو۔ تاکہ اس کی مدد سے وہ نامانوس، غریب اور نا آشنا الفاظ کی درست طریقے سے نشان دہی کر سکے اور اس کے پس پردہ موجود حقائق اور صداقتوں کو بھی منظر عام پر لانے کا متحمل ہو سکے۔

۵۔ رسم الخط:

کسی بھی مخطوطے کی قدامت وحقیقت اوراصلیت وحقیقت کا اندازہ آسانئ کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے، کا علم بغیر رسم الخط اور املا کی درستگی کے ممکن نہیں ہے، کیونکہ اکثر ایسے نسخے ہوتے ہیں جن پر تاریخ کتابت درج ہی نہیں کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کا زمانہ متعین کرنا ایک بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی محقق یہ جان لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ کون ساخط کس عہد میں کب سے کب تک رائج تھا، یا کون سا رسم الخط کس مخصوص علاقے تک محدود رہا ہے وغیرہ یہ سب باتیں محقق کے تجر علمی میں اضافہ کرتی ہیں۔ یعنی رسم الخط کسی بھی مخطوطہ کی درست پہچان میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس سے مخطوطہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر دور کا رسم الخط ایک

مخصوص قسم کا ہوتا ہے جس سے اس عہد کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر عالم یا ادیب کا مخصوص رسم الخط ہوتا ہے جس سے اس کی تصنیف پہچانی جاتی ہے اور اس کے معیار کا درست تعین کیا جاتا ہے۔

۶۔ طرز املا:

جیسا کہ ہم سب اس بات سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ ہر دور کے طرز تحریر یا املا وغیرہ کا اپنا انفرادی رنگ وآہنگ ہوتا ہے یعنی ہر زمانے میں دانشوروں کے یہاں املا وغیرہ کا اپنا ایک مخصوص طریقہ رائج ہوتا ہے یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گی، اردو زبان وادب کے قدیم رسم الخط میں یاے معروف اور یائے مجہول کے تلفظ کے فرق کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، لیکن دونوں کی الگ الگ املائی شکلیں موجود نہیں تھیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قدیم اردو اور فارسی مخطوطات میں بہت سے املائی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یعنی ایک لفظ کو کوئی مصنف کسی طرح لکھتا تھا تو دوسرا کسی اور طرح اس کو تحریر کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہمیں ایک مصنف کے یہاں بھی یکسانیت دیکھنے کو نہیں ملتی ہے یعنی وہ بھی بعض دفعہ الگ الگ املا لکھ دیتا تھا، لہٰذا مخطوطے کی شناخت میں عہد بہ عہد املائی تبدیلیوں سے شناسائی محقق کے لیے بے حد اہم بلکہ بعض لحاظ سے لازم ہے۔

داخلی وخارجی شواہد:

مخطوطہ شناسی میں شواہد یا ثبوت کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے کسی بھی مخطوطے کی تصحیح وتدوین کرتے وقت اس کی درست شناخت اور اصل حیثیت کو سمجھنے کے لیے اس کے داخلی شواہد سے بھی مدد لی جاسکتی ہے ان کی مدد سے کتاب کو اعتبار واستحکام حاصل ہوتا ہے داخلی شواہد سے مراد وہ شہادتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق براہ راست صاحب کتاب سے ہوتا ہے ان داخلی شواہد میں متن، تزئین، ترقیمہ، تاریخ، دستخط اور مہریں وغیرہ خصوصی اہمیت کی حامل ہیں اور کارجی شہادتیں ان شہادتوں کو کہا جاتا ہے جو معاصرین یا بعد کے مفکرین کے یہاں تحریری شکل میں ملتی ہیں مخطوطات کی تصحیح وتزئین میں ان شہادتوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ان کی مدد سے ہی ہم تاریخ حقائق کی درستگی کے بارے میں صحیح پیمائش کرنے کے متحمل ہوسکتے ہیں تحقیق وتدوین کے میدان میں داخلی اور خارجی دونوں ہی شواہد

سے استفادہ کیا جاتا ہے مشہور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے ایک مضمون ''داخلی شہادتیں'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

''داخلی اور خارجی شہادتیں قریب قریب ہر مسلے پر تحقیق و تفکر میں معاون ہوتی ہیں، تاریخی واقعات میں جہاں تعین حقائق کے سلسلے میں مختلف ماخذ پر نظر جاتی ہے وہاں داخلی اور کارجی حقائق میں تقسیم کر کے ان پر غور و فکر کیا جاتا ہے کہ ہر ایک کی اپنی اہمیت ہوتی ہے اور اس اہمیت کے پیش نظر مختلف پہلوؤں پر نظر داری ایک ناگزیر صورت ہوتی ہے''۷

مختصر یہ کہ مخطوطات کے درست معانی و مفاہیم سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ہمیں داخلی اور خارجی دونوں ہی شہادتوں کو بروئے کار لانا چاہیے تاکہ کوئی تسلی بخش نتائج اخذ کرنے میں کامیابی حاصل ہو سکے۔

متن:

اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مخطوطے کی شناخت اور صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کا سب سے اہم اور بنیادی ذریعہ خود اس مخطوطے کا متن ہوتا ہے۔ اگر محقق یا مخطوطہ شناس کے پیش نظر کوئی شعری مخطوطہ ہے تو پھر وہ عروض و قواعد سے درست واقفیت نہ ہونے کی بنا پر صحیح متن کا کام سرانجام نہیں دے سکتا ہے اور نہ ہی مخطوطے کی قدامت و حیثیت اور قدر و قیمت کا درست اندازہ قائم کر سکتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ قوانی و اوزان و بحور سے نا آشنا محققین و مفکرین کسی شعری متن کی صحیح طرح شناخت نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح نثری متن پر کام کرنے والے لوگ اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مخطوطے کے متن میں کہیں کوئی تغیر کیا گیا ہے تو بھی متن کے اندر کوئی نہ کوئی سقم ایسا موجود ہو گا جس سے جعل سازی کی نشاندہی ہو جائے گی۔ کسی بھی متن کو ایک مستند سند اور معتبر ثبوت کے طور پر اس وقت تک پیش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جب تک کہ اس کا مستند و معتبر نسخوں سے مقابلہ و محاسبہ نہ کر لیا جائے اور جب تک اس کو پوری طرح تسلی نہ ہو جائے، تب تک ایسے متن کو آداب تدوین کی پابندی کے ساتھ زیر طبع لانے کی کوشش نہ کیا جائے، یہ درست ہے کہ ایسی صورت میں کسی بھی مخطوطے کی اہمیت و قیمت اور قدر و وقعت بڑھ جاتی

ہے، مگر جس طرح کہ قبلاً بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی بھی تحقیق و تدوین کا کام انجام دینے کے لیے مخطوطہ کا دستیاب ہونا بہت اہم ہے، لیکن تحقیق و تدوین کے لیے مخطوطہ شناسی اس سے بھی زیادہ اہم ہے کیوں کہ جب تک کسی مخطوطہ کی اصلیت و حقیقت کا پتا نہیں چلتا ہو تب تک تحقیق و تدوین کا کام درست طریقے سے ممکن ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

۸۔ ترقیمہ اور تملیکہ:ا

ن کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے ترقیمہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کاتب کی وہ تحریر جو کتاب کے آخر ورق پر میں وہ درج کرتا ہے اس میں اپنا نام تاریخ تکمیل وقت تکمیل وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات کاتب اپنے لیے دعا کا طالب بھی ہوتا ہے اسے ترقیمہ کہا جاتا ہے۔ اگر مخطوطے پر ترقیمہ موجود ہے تو گویا اس سے بھی مخطوطے کی شناخت میں قدرے آسانی پیدا ہو جاتی ہے ترقیمہ کی موجودگی سے با آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مخطوطہ کب لکھا گیا، کس نے لکھا اور کس موضوع پر لکھا گیا ہے وغیرہ، ترقیمہ میں کاتب کا نام، لکھائی یا کتابت کی تاریخ وغیرہ جیسی معلومات بھی درج جاتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب نے اس نسخہ کو کس تاریخ، کتنے دن اور کس موضوع وغیرہ کے متعلق نقل کیا ہے. بعض اوقات کوئی کتاب کسی کے کہنے یا فرمائش پر تحریر کی جاتی تھی لہٰذا کتاب جس کی فرمائش پر لکھی جاتی ہے یا جس کے نام سے منسوب کی جاتی ہے اس کے لیے جو عبارت کتاب کی ابتداء میں تحریر کی جاتی ہے اسے تملیکہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بھی مخطوطے کو پہچاننے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس کا رواج بہت عام تھا اور اکثر مخطوطات میں ہمیں ترقیمہ اور تملیکہ کا خصوصی اہتمام دیکھنے کو ملتا ہے۔

دستخط اور مہریں: لوگ قدیم زمانے میں ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخوں کو زیادہ مستند و معتبر بنانے کے لیے اکثر اس کے مصنف یا شاعر سے دستخط کرا لیا کرتے تھے تا کہ اس کی صحت و درستگی برقرار رہے اور بعض مصنفوں اور شاعروں وغیرہ نے تو اپنے نام کی مہریں اور سندیں وغیرہ بھی بنوا کر رکھی تھیں تا کہ ان کی تخلیقات کو چوری نہ کیا جا سکے اور آج ان مہروں مصنفوں اور شاعروں کے ان دستخطوں اور مہروں وغیرہ سے بھی مخطوطے کی شناخت کی جاتی ہے۔ مخطوطہ شناسی کے عمل میں مہریں اور اسناد بھی خاصی مددگار و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ عام طور پر یہ مہریں قلمی

کتابوں کے شروع یا آخر میں پائی جاتی ہیں بعض اوقات درمیانی صفحات میں بھی ہو سکتی ہیں لیکن ان کے امکان کم ہوتے ہیں، بہر حال مہریں یا مخطوطہ نویس کے دستخط یا مہر بہت اہم تصور کی جاتی ہیں علمی، ادبی اور تحقیقی لحاظ سے نہایت گراں قدر ہوتی ہیں اور بعض نئی تاریخی معلومات فراہم کرتی ہیں، اس لیے ان پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تخریج:

اس کا مطلب ''استخراج'' یا ''نمایاندن'' یعنی کسی چیز کو نکالنا یا ظاہر کرنا ہوتا ہے مخطوطے کی تصحیح و تدوین یا تنقید کرتے وقت تخریج بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے اس کے ذریعے مخطوطہ شناس کسی مصنف یا شاعر کے کلام میں دوسرے شاعر یا ادیب کے کلام کے متعلق نشان دہی کرنے کی کوشش کرتا ہے قدیم مخطوطات کو دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات مصنف اور شاعر اپنے بیان کو دل چسپ اور اثر انداز انداز میں پیش کرنے کی غرض سے قرانی آیات، احادیث، اقوال معروف یا اشعار وغیرہ کا استعمال کرتے تھے خصوصاً رقعات، ملفوظات، اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں اکثر دوسرے شعرا کا کلام اور اقوال وغیرہ زیادہ دیکھنے کو ملتے ہیں لہٰذا مخطوطات کی تصحیح و تدوین کرتے وقت اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے مخطوطہ شناس کو تخریج و تعلیقات کے سلسلے میں غیر معمولی احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے، پروفیسر نذیر احمد نے اپنے ایک مضمون ''متون کی تصحیح و تدوین میں تخریج و تعلیقات کی اہمیت و ضرورت'' میں اس طرف زور دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ''تخریج نہائت مفید عمل ہے اس سے متن کی افادیت میں کئی اعتبار سے اضافہ ہوتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے متن کی صحت کا امکان بڑھ جاتا ہے، متون کی بنیاد مخطوطات پر ہوتی ہے اور ایک مخطوطہ دوسرے سے نقل ہوتا ہے، اس نقل میں زیادہ احتیاط اس لیے نہیں ہوتی کہ کاتب پیشہ ور ہوتا ہے وہ عجلت سے کام لیتا ہے پھر اس کا علم کم ہوتا ہے اس لیے جو چیز سمجھ میں نہیں آتی اس کو وہ

بدل دیتا ہے، پرانی کتاب کے مخطوطے میں کاتب ایسے لفظیات و فقرات سے دوچار ہوتا ہے جن کو وہ نہیں سمجھتا، وہ ان کو غلط ٹھرا کر زیادہ رائج الفاظ سے بدل دیتا ہے"۸

مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کسی بھی تخلیق کار کی تحریروں کی اصل حقیقت کو جاننے و سمجھنے یا جانچنے کے لیے تخریج کا عمل بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر، کسی بھی بات کو آنکھیں بند کر کے بے چون وچرا قبول کرنا درست نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تو اس کے درست تعین نہ ہونے کے سبب بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور کسی ادبی شہہ پارے کے درست مقام و مرتبہ کے تعین میں بھی شک و تردد ہوتا ہے، لہذا صرف تخریج کی مدد سے ہی درست طریقے سے اور سیاق و سباق کی روشنی میں سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے دورہ موجودہ میں ہمارے ادب کے بہت سے مورخین اور مفکرین اس طرف اپنی توجہ مبذول کیے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی پوری ادبی سنجیدگی اور علمی بصیرت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

تعلیقات یا حواشی:

تعلیقات کا لغوی معنی آویختن، یاد داشت کردن یا کسی چیز کو لٹکانا یا معلق کرنا لیا جاتا ہے اصطلاحی یا ادبی معانی میں تعلیقات حواشی یا فٹ نوٹ کو کہا جا سکتا ہے یعنی کسی متن میں موجود کسی لفظ، جملے یا عبارت کی وضاحت کے لیے حاشیے میں لکھی گئی اضافی معلومات یا پھر مصنف یا شاعر کی طرف سے تحریر کردہ کسی عبارت یا شعر کے بارے میں وضاحت، ترجمہ، تنقید اور تحقیق پر مبنی نوٹس کو تعلیقات کے زمرے میں رکھا جاتا ہے اس کے علاوہ کسی کتاب سے متعلق یاد داشت، ضمیمہ یا خلاصہ بھی تعلیقات کہلاتا ہے۔ بعض اوقات کتابوں میں ایسے نکات مذکور ہوتے ہیں جن کی توضیح و تشریح سے کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور اگر ان کا خیال ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے یعنی عدم توضیحات کے سبب عام فہم قارئین کی اصل مفہوم تک رسائی نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے متن کی اہمیت وافادیت افزوں ہونے کے بجائے کم ہو جاتی ہے یہ ہی سبب ہے کہ تعلیقات متون کی تصحیح و تدوین کا لازمی حصہ سمجھی جاتی ہیں پروفسور نذیر احمد نے

تعلیقات کو اصل متن سے زیادہ پر از معلومات قرار دیا ہے ذیل میں ان کے مذکرہ مضمون سے چند اہم نکات بعینہٖ نقل کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے تعلیقات نویسی کی اہمیت اور افادیت کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے وہ لکھتے ہیں:

- ''مطالب کتاب کی تفہیم و تنقید میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے اور کتاب کی غرض و کتابت کما حقہ انھیں سے پوری ہوتی ہے۔
- ان سے کتاب کی تاریخی، ادبی و فرہنگی اہمیت کا اندزاہ کیا جا سکتا ہے، گویا کتابوں کی پرکھ کا ایک پیمانہ کے مثل ہے
- ان سے مصنف کتاب کے علم و فضل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
- تعلیقات نویسی علوم پر غیر معمولی دسترس کی متقاضی ہے، چنانچہ تعلیقات نویسی بذات خود عمیق مطالعے کی دعوت دیتی ہے، تعلیقات نویس ذوالفنون ہوتا ہے، اسی بنا پر بڑا مشکل فن تصور کیا جاتا ہے۔
- تعلیقات نویسی مصنفوں کی کوتاہیوں کی نشان دہی کرتی ہے اور اگر یہ نہ لکھے جائیں تو مدتوں تسامحات کا شمار علم کے درجے میں ہوتا رہے گا، گویا تعلقات علم اور جہل میں حد مقیاس قائم کرتے ہیں''۹

بہر حال یہ تو سچ ہے کہ عہد قدیم سے مخطوطہ شناسوں کے یہاں تعلیقات یا حاشیہ نویسی کا رواج موجود رہا ہے اور موجودہ وقت میں تو اس کی معنویت اور اہمیت مزید افزوں ہو چکی ہے کیونکہ اگر کسی کا خطی نسخہ کسی دوسرے کے مطالعے میں ہوتا تو وہ مطالعہ کے دوران یا بعد میں حاشیہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ اگر مطالعہ کرنے والا کوئی بڑا عالم ہوتا تو وہ ضروری مقامات پر اصلاح بھی کر دیتا تھا۔ یا پھر اپنی رائے حاشیہ پر بھی لکھ دیتا تھا۔ چنانچہ اس سے بھی بعض اوقات ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں جس سے مخطوطے کی شناخت ہو جاتی ہے اور اگر کوئی مدون یا محقق کسی قدیم شاعر یا ادیب کے مخطوطے کی تدوین و تحقیق کر رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے وہ فرہنگ سازی کا خصوصی اہتمام

کرے۔ فرہنگ میں متعلقہ مخطوطہ کے مشکل الفاظ، اصطلاحات، تلمیحات، نامانوس اور متروک الاستعمال الفاظ کے معنی، تشریح اور مفہوم کی اچھی طرح وضاحت کر دے تاکہ عام فہم لوگوں کے لیے بھی اس کا سمجھنا آسان ہو۔

ترجمہ:

خطوطہ شناسی کے اس عمل میں کسی ایک زبان سے کسی دوسرے زبان میں ترجمے کو بھی خاصی اہمیت وافادئیت حاصل رہی ہے، تاریخ سے ثابت ہے کہ ماضی میں بے شمار مخطوطات کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا گیاہے اور آج بھی کیا جارہاہے، ان تراجم کی ارزش وافادئیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تراجم نہ صرف مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان باہمی رابطے کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ کسی بھی متن کی تفہیم اور تشریح میں بھی بنیادی کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ترجمہ کسی مخطوطے کو اس زبان میں منتقل کرتا ہے جس میں اس کا مطالعہ کیا جاسکے اور اس کے مواد کو سمجھا جاسکے۔ لہٰذا اگر عربی، فارسی یا پھر کسی دوسری زبان کے مخطوطے کا اردو زبان میں ترجمہ کرنا مطلوب ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ حواشی اردو میں ہی تحریر کیے جائیں، اور اس مخطوطے کا اردو ترجمہ یا تو مقابل صفحہ پر تحریر کیا جائے یا پھر الگ حصے کے طور پر، ترجمہ کرتے وقت محقق کو ترجمہ نگاری کے تمام اصول و قواعد کی معلومات ہونا چاہئے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ مخطوطے کے کچھ اوراق کا عکس تحقیق شدہ مواد کے ساتھ منسلک کر دینا بھی ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعے افہام و تفہیم میں آسانی پیدا ہو سکے۔

ا۔ مخطوطہ شناسی کے عمل سے تعلق رکھنے والے محققین اور ناقدین اچھی طرح واقف ہیں کہ تحقیق و تدوین کے کام میں سب سے زیادہ اہمیت منتخب شدہ نسخے یا متن کی ہوتی ہے، اور یہ مخطوطات نقل در نقل ہوتے ہوئے، ہم تک پہنچتے ہیں اس لیے بعض اوقات کاتبوں کی تمام تر احتیاطی تدابیر کے بعد بھی کچھ نہ کچھ تفاوت یا تسامح باقی رہ ہی جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بار بار نقل ہونے کے سبب اصل کتاب اور دیگر نسخوں میں اتنا زیادہ فرق ہو جاتا ہے کہ وہ دو الگ الگ کتابیں محسوس ہونے لگتی ہیں، دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ محقق کی تمام تر احتیاط

اور بیدار مغزی کے باوجود بھی ہر قلمی نسخہ دوسرے نسخے سے کسی نہ کسی لحاظ سے مختلف ہو ہی جاتا ہے، لہٰذا محقق کو کسی مخطوطے کی تحقیق و تدوین کرتے وقت خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا یا پھر اس کے عہد میں تحریر کیا گیا نسخہ تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، تاکہ غلطیوں اور لغزشوں کے امکان قدرے کم ہو جائیں کیونکہ اس بات سے ہر گز بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بھی ادبی شہہ پارہ اپنے زمانے اور اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے اور اسی ماحول کی بازگشت اس میں سنائی دیتی ہے لہٰذا محقق یا مخطوطہ شناس کو اسی عہد کے مخطوطہ کو بنیاد بنا کر اپنا کام آگے بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ حقائق اور صداقتوں کو بے نقاب کر سکے۔ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے ایک بے انتہا معلوماتی اور پر مغز مضمون ادبی تحقیق اور حقائق''میں بالکل درست لکھا ہے کہ:

> ''کوئی بھی ادبی کارنامہ کتنا ہی ابدی، افاقی اور عالمگیر کیوں نہ ہو اپنے زمانے اور مقام تصنیف سے رشتہ نہیں توڑ سکتا، ہر ادبی کارنامے میں اپنے عہد کی آواز گونجتی ہے اور یہ ہی آواز ادبی محقق اور نقاد کے لیے اہم ہے کیونکہ اس میں نہ صرف روح عصر ہے بلکہ اس میں ماقبل کی آوازیں بھی شامل ہیں اور مابعد کی آوازوں میں اسے پہچانا جا سکتا ہے''۔۱۰

۲۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کسی مخطوطہ شناس کو اس مخطوطے کے مصنف یا شاعر کے افکار و خیالات اور احساسات و تصورات کے بارے میں بھی جاننا بھی بہت زیادہ ضروری بلکہ بعض اوقات تو لازم ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر مصنف کے درست احساسات، خیالات اور افکار تک مخطوطہ شناس کی رسائی ہو جاتی ہے، اس کے لیے متن پڑھنے اور سمجھنے میں قدرے آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اور ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ بعض مرتبہ غلط متن پڑھ لینے کے سبب ادب کو نا قابل تلافی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہو سکتا ہے کہ شعر و ادب کی متن کو غلط پڑھ لینے کے اثرات فوری طور پر ہمارے سامنے نہ آئیں لیکن ذرا تصور کیجئے کہ اگر کسی قانونی کتاب یا طب کے کسی رسالے

کے متن کو غلط پڑھ لیا جائے اور اس غلط پڑھے ہوئے کی وجہ سے غلط معنی اکذ کر لیے جائیں، تو اس کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً علم طب کی کتاب کو غلط پڑھ کر اس کے مطابق علاج کیا جائے تو اس بے چارے مریض پر اس کا کیا اثر ہو گا یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے اس کا اندازہ صرف وہ ہی انسان لگا سکتا ہے جس کا اس قسم کی صورت حال سے براہ راست سابقہ پڑا ہو یہاں ایک مثال کے ذریعے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے پروفیسر نذیر احمد نے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اختیارات بدیعی'' طب کی، فارسی زبان میں، نہایت متداول کتاب ہے۔ اس کے ایک قلمی اور مطبوعہ کتنے میں ایک جگہ یہ فرق تھا کہ قلمی نسخہ میں بیخ وی" تھا اور مطبوعہ نسے میں ''پنج درم'' فرض کیجیے کہ بیخ وی "ہی مصنف مقصود ہو تو مطبوعہ نسخے کی بنیاد پر جو علاج کیا گیا ہو گا اس کا نتیجہ اظہر من الشمس ہے[۱۱]

لہٰذا مخطوطات میں غلط متن پڑھ کر غلط اصطلاحات اور نادرست تراکیب کا استعمال کرنا، ایک سنگین مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایک ناقابل معافی جرم بھی ہے، غلط یا نادرست متن خوانی کے سبب متن کی حقیقی شکل، مقصد، معنی، تفہیم اور تحقیق سب ہی کچھ متاثر ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھی تو ایک بڑی مصیبت بھی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مخطوطات ہمارے ملک اور قومی تہذیب وثقافت کی بیش قیمت ورثہ ہوتے ہیں اور غلط متن پڑھنے کی وجہ سے بعض دفعہ غلط نتائج سامنے آتے ہیں جس کے سبب ہمارے اس ورثے کو بہت زیادہ نقصان بھی ہوتا ہے، اور صرف ایک یا چند لوگ نہیں بلکہ آنے والی نسلیں بھی ان کے مضر اثرات سے مستثنیٰ نہیں رہ پاتی ہیں اس لیے اس سلسلے میں مخطوط شناس کو خصوصی احتیاط اور ہوش مندی کو برائے کار لانے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ سخت محنت اور کاوش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ فارسی مخطوطہ شناسی کے ابتدائی مرحلوں میں ایک مرحلہ نقطوں کی پہچان کا بھی ہوتا ہے، جن کو درست طریقے سے پڑھ پانا بعض مرتبہ بڑا مشکل اور پیچیدہ مسلہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مخطوطات میں نقطوں کی

پہچان حروفِ تہجی کی شناخت اور درست پڑھنے کے لیے ضروری ہے، فارسی اور اردو زبانوں میں حروف کو منقوط حروف یعنی نقطوں والے حروف اور غیر منقوط حروف یعنی بغیر نقطوں والے حروف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور نقطوں کی درست جگہ اور تعداد ہی حروف کی شناخت اور معنی میں فرق پیدا کرتی ہے، لیکن جب یہ نقطہ والے حروف یک بعد دیگر آتے چلے جاتے ہیں تو مخطوطہ شناس کے لیے درست لفظ کا تعین کرنا بہت زیادہ مشکل بلکہ بعض اوقات تو نا ممکن سا ہو جاتا ہے، اسی طرح حروف کو ملا کر لکھنے کی وجہ سے، یا کبھی کبھی کاتب کی لاپرواہی کے سبب بھی نقطوں کا تقدم و تاخر باقی نہیں رہ پاتا ہے جو مخطوطہ شناس کے کے لیے ایک ان سلجھی پہیلی بن کر رہ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اکثر متن کو پڑھنے میں بڑی دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ایک مخطوطہ شناس کی یہ بہت بڑی اور بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر حرف کی شکل کو بغور دیکھے اور پھر اس حرف پر نقطوں کی تعداد اور جگہ کا درست تعین کرنے کی اپنی پوری کوشش کرے، اس کے علاوہ نقطہ دار حروف کی تعداد کو صحیح طور پر پہچانے اور اگر اس کے باوجود بھی اس کو کسی مخطوطہ میں کسی حرف کی شناخت میں مشکل ہو رہی ہے تو اسے موجودہ رسم الخط کے ساتھ موازنہ و محاسبہ بھی کرنا چاہیے تاکہ درست نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔

۴۔ مخطوطہ شناسی کے پورے عمل میں شوشہ شناسی کا مرحلہ بھی خاصہ مشکل اور توجہ طلب ہوتا ہے، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ شوشہ حروف تہجی کا وہ حصہ ہے جو حروف کے آغاز میں ہوتا ہے اور اس کی شکل عموماً نوک دار یا پھر دندانے دار ہوتی ہے مثلاً کے س اور ش وغیرہ حروف کے ابتدائی حصے کو شوشہ کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ جب فارسی الفاظ آپس میں جوڑے جاتے تھے تو ان میں الگ الگ شناخت قائم کرنے کے لیے بھی شوشوں کا استعمال کیا جاتا تھا اور فارسی مخطوطات میں اکثر بلکہ زیادہ تر حروف کی نشان دہی بھی شوشوں کی مدد سے کی جاتی ہے، اور نقطے وغیرہ لگانے کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، لہٰذا بعض کاتبوں کی اسی بے احتیاطی کے سبب، کسی کسی لفظ کا سمجھنا اور

پڑھنا دشوار ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہو جاتا ہے، فارسی زبان میں ہمیں سینکڑوں ایسے مخطوطات دیکھنے کو مل جائینگے، جو خط شکستہ میں لکھے گئے ہیں، جن میں نہ تو نقطے لگانے کا کوئی اہتمام ہے اور نہ ہی شوشے لگانے کا کوئی التزام، جس کی وجہ سے محقق کو متن پڑھنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس قسم کے مخطوطوں میں محقق کو قیاس آرائی اور ذاتی فہم کی مدد سے اپنے کام کو انجام دینا پڑتا ہے۔

۵۔ قدیم زمانے میں کبھی کبھی کاتب نسخہ دیکھ کر نقل کرنے کے بجائے سن کر نقل کرنے کو زیادہ فوقیت دیتا تھا اور جانے انجانے بہت سی غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا تھا، اور جیسا کہ فارسی سے واقفیت رکھنے والے لوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ اس زبان میں ہم آواز حروف اور الفاظ کی تعداد کافی زیادہ ہے، یعنی بعض الفاظ سننے یا بولنے میں تو ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں لیکن اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں جیسے سدا یا صدھا یا خوانم وخانم وغیرہ الفاظ کو سن کر دیکھ کر بجائے لکھنے میں بڑی غلطیاں اور لغزشیں ہو سکتی ہیں، اس کے علاوہ فارسی زبان میں صوری مشابہت رکھنے والے بہت سے حرف جیسے ذ، ز، ض اور ظ یا پھر ث، س، اور صفحہ وغیرہ کی وجہ سے بھی، مخطوطہ کی تدوین و تحقیق میں جس کی وجہ سے تعین حروف کا مسلہ مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے اور مخطوطہ شناس کو یہاں اپنی تمام تر تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے کام کو انجام دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

٦۔ ایک اور بڑی مشکل جو اکثر مخطوطہ شناس کو کسی مخطوطہ کی تحقیق و تدوین کرتے وقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ مخطوطہ شناس بعض اوقات حروف کی درست شناخت نہیں کر پاتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فارسی زبان کے قدیم نسخوں میں ہمیں، پ، چ، ژ اور ک کے بجائے ب، ج، ز د اور گ لکھا جاتا تھا حالانکہ جدید فارسی ادب میں ایسا نہیں ہوتا ہے لیکن قدیم نسخوں میں اس طرح کے بے شمار حروف دیکھنے کو مل جاتے ہیں، اس طرح کے حروف بعض مرتبہ مخطوطہ شناس کے لیے بڑی مشکلات وابہام پیدا کر دیتے ہیں اور محقق یا مدون یہ سمجھ نہیں پاتا کہ مصنف کی

اصل منشا یا مقصد کیا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال مندرج کی جارہی ہے قدیم فارسی میں ''گ'' کو ''ک'' کی طرح لکھا جاتا تھا اب فارسی کا مصدر ہے ''گشتن'' اس کا مطلب ''ہونا'' ہوتا ہے لیکن اگر کوئی قدیم مخطوطہ نویس اس کو لکھے گا تو ''گ'' کو ''ک'' سے بدل دے گا اور اس طرح یہ ''کشتن'' پڑھا جائے گا جس کا مطلب قتل کرنا ہوتا ہے یہ ہی سبب ہے کہ محقق اس قسم کے الفاظ و کلمات کے افہام و تفہیم میں بڑی بڑی ناقابل معافی غلطیاں اور لغزشیں کر جاتے ہیں جن سے بچنے کی کوشش کرنا بے حد ضروری ہے۔

۷۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف یا شاعر وغیرہ کے درست خیالات واحساسات کی ترجمانی املا میں ظاہر نہیں ہو پاتی ہے، کبھی کسی جملے کو مختلف انداز میں پڑھنے کی وجہ سے بھی معنی کی تفہیم میں مشکل پیدا ہو جاتی ہے، مثلا یہاں ایک جملہ دیکھئے، ''وہاں کچھ اور ہے'' یہ جملہ کئی معنی پیدا کر سکتا ہے مثلاً کوئی واقعہ، شک، تجسس یا خطرے کا کوئی اشارہ وغیرہ املا کی غلطیوں کی وجہ سے مخطوطے کے معنی اور مفہوم میں تبدیلی آسکتی ہے، اس لیے ان غلطیوں کو درست کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس کو سیاق وسباق کے حوالے سے سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس قسم کے جملوں کی درست تفہیم کے لیے مخطوطہ شناس کو خصوصی محنت کرنا پڑے گی تبھی کسی مصنف یا شاعر کے درست افکار و خیالات تک اس کی رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔

۸۔ فارسی مخطوطہ شناسی کے عمل میں ایک مشکل یہ بھی پیش آتی ہے کہ اس زبان میں ضمیر متصل کے استعمال سے اکثر محقق شک و شبہات کا شکار ہو سکتا ہے کیونکہ ضمیر متصل جب الفاظ کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے تو بعض الفاظ کے معنی کا درست تعین مشکل ہو جاتا ہے مثلاً ایک لفظ ''سرش'' ہے اس کا مطلب تین گز ہوتا ہے جبکہ ''سرش'' کا مطلب ''اس کا سر''، اسی طرح ایک اور لفظ کتابت اس کے دو معنی ہیں، ایک ''کتابت'' اور دوسرا ''کتابت'' یعنی تیری کتاب اسی طرح ''خوانم'' اس کے دو معنی ہیں ایک خوانم ''میں پڑھتا ہوں'' اور دوسرا ''میرا خوان یا دستر

خوان''، اس قسم کی صورت حال ہمارے فارسی داں محققین کو کئی دفعہ بہت زیادہ پریشان کرتی ہے لہٰذا اس سلسلے میں خصوصی ذہانت و فراست درکار ہوتی ہے تاکہ متن کو درست طریقے سے پیش کیا جاسکے۔

۹۔ یہاں ایک اور بات جو قابل ذکر ہے مخطوطہ شناسی میں علامتوں کے سمجھنے میں بھی اکثر مشکلات پیش آتی ہیں، ان میں سے سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ عموماً مخطوطات میں استعمال ہونے والی علامات ہمیشہ واضح اور صاف نہیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے، بعض اوقات ان کا سمجھنا اور پھر ان کی وضاحت کرنا قدرے مشکل ہو جاتا ہے۔ فارسی اور اردو زبان کے مخطوطوں میں، علامت اضافت کا مسلہ بڑا ہی مشکل اور پیچیدہ رہا ہے جس کا تاحال کوئی حل نہیں مل سکا ہے، عموماً کاتب نسخہ ترتیب دیتے وقت نقطوں اور شوشوں کی طرح علامت اضافت بھی حذف کر دیتے تھے، ایسی صورت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کا باہمی رشتہ قائم کرنے میں خاصی مشکل پیش آتی ہے اور بعض اوقات متن کو سمجھنے میں بھی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۰۔ وہ لوگ جو فارسی اور اردو مخطوطات پر کام کرتے یا ان کے متعلق آگاہی رکھتے ہیں ان سامنے ایک بڑا اور بنیادی مسلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بائے زینت کے ب اور کلمہ نفی کے ''ن'' کے درمیان فرق نہیں کر پاتے ہیں، قدیم فارسی قلمی نسخوں میں اکثر کلمہ نفی کے ن کو صرف نقطے کی مدد سے ظاہر کیا جاتا تھا، اور اسی کے ساتھ بائے زینت کے ب کو بھی نقطہ ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے یہ ہی سبب ہے کہ بعض دفعہ محققین بائے زینت کو کلمہ نفی کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں اور کلمہ نفی کے ن کو بائے زینت سمجھ لیتے ہیں، جس کی وجہ سے عبارت کا پورا کا پورا مفہوم ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ ''یائے معروف'' اور ''یائے مجہول'' اور ''واؤ معروف'' اور ''واؤ مجہول'' وغیرہ کا بھی ہوتا ہے، ان دونوں کا کوئی مقررہ قاعدہ یا املائی صورت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر معاملہ الجھ جاتا ہے پروفیسر نذیر احمد خا کہنا ہے کہ یہ صورتحال مخطوطہ شناسوں اور محققوں کو بہت زیادہ پریشان کرتی ہے اور فارسی سے زیادہ اردو کو متاثر کرتی

ہے، وہ لوگ جنھوں نے مرزا غالب کے خطوط پڑھے ہیں وہ اس کی نزاکت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔۱۲۔ مندرجہ بالا مسائل کے پیش نظر جناب مالک رام نے ان کا حل پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"مخطوطہ پڑھنے میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کاتب پورے الفاظ نہیں لکھتے، نقطے غلط جگہ لگے ہوں گے، یائے معروف اور یائے مجہول میں کوئی فرق نہیں ہو گا، بعض اوقات تو یائے معروف اور یائے مجہول دونوں ہی با معنی ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں ایک کو ترجیح دے کر اسے متن میں لکھئے اور دوسری قرات کو حاشیے میں لکھ کر تشریح کر دیجئے"۔۱۳

پروفیسر شریف حسین قاسمی نے بھی فارسی مخطوطات کی تدوین و تحقیق یا تصحیح کرتے وقت پیش آنے والی مشکلات اور محققین کی جانب سے کی جانے والی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مصنف نے در حقیقت کون سا لفظ استعمال کیا تھا، اس کا پتہ نہیں چلتا، مختلف متون میں جو صدھا اشخاص کے نام آئے ہیں، وہ کون تھے، ابھی پہچانے نہیں گئے ہیں، محققین نے ایک شاعر کے دیوان میں دوسرے شاعر یا شاعروں کے کلام کی نشان دہی کی ہے جس کی وجہ سے ہر دیوان اور اس کے مشتملات مشکوک ہو گئے ہیں، ایک ہی کتاب کے دو چار خطی نسخے اپنے مندرجات کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں، ایران و ہندوستان میں ہمارے محققین نے ان تمام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن بعض امور میں خود ان کوششوں کے نتائج بھی محل نظر ہیں، ہست استغفار ما محتاج استغفار ما"۔۱۴

۱۰۔ فارسی مخطوطہ شناسی کے حوالے سے ایک اور قابل ذکر اور اہم بات جس کا یہاں ذکر کرنا بے حد ضروری ہے کیونکہ یہ صورت حال اکثر ہمارے محققین اور مفکرین کو بہت زیادہ پریشان کرتی ہے کبھی کبھی تو جینا تک بھی حرام

کر دیتی ہے، فارسی زبان وادب سے شناسائی رکھنے والے دانشور بخوبی آشنائی رکھتے ہیں کہ قدیم عہد کی فارسی میں دال حرف کو ذال کی حیثیت حاصل تھی، یعنی فارسی مصنفین "د" کو "ذ" کی شکل میں لکھتے تھے مثلاً آید، آمد، رود، شود اور بود وغیرہ کو آیذ، آمذ، روذ، شوذ اور بوذ لکھا جاتا تھا حالانکہ گزرتے وقت کے ساتھ اس کا رواج ختم ہو گیا، لیکن فارسی زبان کے قدیم مخطوطوں میں ہمیں آج بھی "دال" کے بجائے "ذال" دیکھنے کو مل جاتا ہے، لہٰذا فارسی متن کی تدوین کرتے وقت محقق یا مخطوطہ شناس کو اس دال اور ذال کے درمیان کے تفاوت کا اچھی طرح علم ہونا بے حد ضروری ہے، تاکہ کسی قسم کے شک وشبہات نہ پیدا ہوں اگر اس نے اس فرق وتفاوت پر خصوصی توجہ نہیں کی تو محقق کے لیے پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

۱۱۔ فارسی اور اردو مخطوطہ شناسی سے متعلق ایک اور اہم اور دلچسپ بات یہ ہے کہ نسخہ نقل کرتے وقت جب کاتب کی سمجھ میں کوئی لفظ نہیں آتا تھا، تو وہ کچھ کا کچھ لکھ دیتا تھا، بعض مرتبہ ایسا بھی دیکھنے کو ملتا تھا کہ کاتب پرانے الفاظ کی جگہ نئے الفاظ بھی شامل کر دیتا تھا اس قسم کے تصرفات بعض اوقات بڑے ادبی نقصان کا سبب بن جاتے ہیں مثلاً جمال الدین اصفہانی کا ایک شعر ہے:

وجہ محفوری تو از بوریای مسجد است
وز مسلمانی خویش آنگہ نکردی شرمسار

"محفوری" ایک قسم کے قیمتی فرش کو کہا جاتا ہے لیکن کاتب نے "محفوری" کے بجائے "مخموری" لکھ کر نہ صرف یہ کہ شعر کی ساری لطافت اور حسن کو غارت کر دیا ہے بلکہ اس کے معنی بھی کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں، کاتبوں کے اس طرح کے تصرفات ہمیں فارسی اور اردو مخطوطات میں بہت زیادہ دیکھنے کو ملتے ہیں، اور اگر کوئی محقق ان سے اچھی

طرح آگاہی یا واقفیت نہ رکھتا ہو، تو دوران تدوین، وہ بہت سی اغلاط اور لغزشوں کا شکار ہو سکتا ہے اور اس کی تصحیح شدہ متن میں بہت سی غلطیاں راہ پا سکتی ہیں۔۱۵

۱۲۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ہی زمانے میں ایک ہی تخلص کے دو شاعر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے دانستہ اور نادانستہ طور پر ایک شاعر کا کلام دوسرے شاعر سے منسوب ہو جاتا تھا، عہد ماضی کے بہت سے شاعر ایسے رہے ہیں جن کا کلام محض تخلص ایک جیسا ہونے کے سبب ایک دوسرے سے منسوب ہو گیا۔ مثلاً ظہیر فاریابی کے کلیات میں بقول پروفیسر نذیر احمد کے غزلیات کا پورا کا پورا حصہ ہی ظہیر اصفہانی کا ہے، اسی طرح محمد رفیع سودا کے کلیات میں میر سوز کی سو سے بھی زائد غزلیں شامل ہیں، جن کو ایک مدت تک رفیع سودا کی غزلیں ہی سمجھا جاتا رہا تھا، اسی طرح قدیم شاعروں کے یہاں تخلص کا استعمال بھی بہت کم ہوتا تھا، عام طریقہ یہ تھا کہ کتاب کے سرورق پر مصنف یا شاعر کا نام تحریر کیا جاتا تھا، لہٰذا اگر پہلا صفحہ کسی وجہ سے کتاب سے الگ ہو جاتا تھا، تو بڑی ہی آسانی کے ساتھ کسی شاعر یا مصنف کی تخلیقات کو کسی دوسرے سے منسوب کر دیا جاتا تھا، لہٰذا اگر محقق کے سامنے مخطوطے کا پہلا صفحہ نہ ہو تو اس کو بڑی مشکل کا سامنا ہو سکتا ہے اور اس مخطوطے کی درست اہمیت و حیثت ثابت کرنے کے سلسلے میں مخطوطہ شناس کو بڑی خاک چھاننا پڑتی ہے۔

۱۳۔ مخطوطات کی تحقیق و تدوین میں ایک بڑی دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ کسی نسخے کے نقل در نقل ہونے کی صورت میں ایک ہی کتاب کے، مختلف نسخوں کے درمیان خاصے اختلافات دیکھنے کو ملتے ہیں لہٰذا کسی بھی مخطوطہ کی درست تدوین اور تحقیق کے لیے بے حد ضروری ہے کہ مخطوطہ شناس اس مخطوطے کے زیادہ سے زیادہ قلمی نسخے حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا یا اس کے عہد کے نسخے کو بنیاد بنائے اور بنیادی نسخہ سے، دستیاب شدہ تمام نسخوں کے متن کو اپنی پوری ہوشمندی کے ساتھ ملائے اور ان کی عبارت کا آپس میں مقابلہ

کرے کہ تمام نسخوں کی عبارت ایک طرح سے ہے یا اس میں کچھ فرق ہے۔ اگر کوئی اختلاف نہ ہو تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن اگر ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف پایا جاتا ہو تو اس کو بغیر کسی کم وکاست کے حاشیے میں بیان کرے۔

ایک اور اہم اور ضروری نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی بھی قلمی نسخے کی تدوین کے وقت موضوع کا خاص خیال رکھا جائے ،کیونکہ کسی بھی مخطوطے کی تحقیق وتدوین اس کے موضوع اور مزاج کے اعتبار سے کی جاتی ہے، کیونکہ منظوم اور منثور مخطوطات کی تدوین و تحقیق کے تقاضے اور اسالیب جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا محقق اور مدون کو چاہئے، کہ وہ اگر کسی نثری مخطوطے کی جمع و تدوین کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے تمام ضوابط اور اصولوں کی ٹھیک طرح سے پابندی کرے اور اگر شعر وشاعری کے متعلق کام کرنے کا عزم رکھتا ہے تو شعری اسالیب وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے، لہٰذا مخطوطہ شناس کے لیے گوناگوں صفات سے مزئین ہونا ضروری ہے ورنہ مخطوطہ شناسی کا عمل ناقص اور غیر منفعت بخش ثابت ہوگا، اب ذیل میں اس بات کا ذکر کیا جارہا ہے کہ مخطوطہ شناس کو کن کن صفات سے مزئین ہونا چاہیے:

ا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی شخص کو مخطوطہ شناسی پر اس وقت تک مہارت حاصل نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ تحقیق وتنقید کا مزاج نہ رکھتا ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کو تنقیدی شعور کا مالک ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ اگر وہ کھرے کھوٹے کے درمیان فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا ہوگا، تو اس کی تحقیق بہت زیادہ بار آور یا منفعت بخش ثابت نہیں ہو سکے گی، لہٰذا تدوین، تحقیق اور تنقید بیک وقت تینوں ایک ساتھ چلتی ہیں اور ایک مخطوطہ شناس کو ان تینوں میں ماہر ہونا بھی ضروری بلکہ لازمی صفت مانی جاتی ہے۔ بعض اوقات کاتب سے ہی نہیں بلکہ مصنف

یا شاعر بھی دوران تحریر بہک جاتا ہے اور عبارت کچھ کا کچھ لکھ دیتا ہے اس سلسلے میں پروفیسر ضیا احمد بدایونی اپنے ایک مضمون مخطوطات شناسی میں بالکل درست لکھا ہے:

> ”انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی قلت تدبر سے، کبھی خطا سے تفکر سے کبھی سوفہم اور کبھی غلبہ وہم کی وجہ سے خود مصنف ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے کہ مصنف یا مولف اپنی تراوش فکر کو دل چسپ بنانے کی دھن میں تحقیق و تدقیق سے قطع نظر کر لیتا ہے جس کی مثال فارسی میں تذکرہ دولت شاہ اور اُردو میں آب حیات ہیں“۔١٦

لہٰذا مخطوطہ شناس کو ایسے مواقع پر خصوصی احتیاط و دانشوری کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مخطوطہ شناس صحت متن کی درستگی کا اندازہ کر سکے اور حقیقی مقاصد کو پیش کیا جاسکے ورنہ بعض اوقات ایسی فاش غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن کے نقصانات اندازہ لگا پانا بھی احاطہ گمان سے باہر ہے۔

٢۔ ایک محقق یا مدون کو دوران ریسرچ مختلف ادوار کی متون پر دسترس حاصل ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مختلف زمانے کے بارے میں آگاہی نہ رکھتا ہو گا تو اس کو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، کیونکہ قدیم زبان وبیان یا الفاظ و فقرات، جدید دور کی متون سے بڑی حد تک مختلف ہوتے ہیں، وہ محقق جو اس عہد کی زبان سے واقف نہیں ہو گا، جس دور میں کوئی مخطوطہ لکھا گیا ہے تو وہ متن کی درست طریقے سے تحقیق اور تدوین نہیں کر سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے کام کو آفاقیت بخش سکتا ہے اور عدم واقفیت کے سبب اس کا بے انتہا محنت سے تیار کیا گیا نسخہ اہل نظر سے داد وتحسین حاصل کرنے کے بجائے غیر منفعت بخش اور غیر اہم تصور کیا جائے گا اور گمنامی کے اندھیروں میں ڈوب کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گا جیسا کہ فارسی زبان کے مشہور و معروف مورخ اور مخطوطہ شناس پروفیسر نذیر احمد نے لکھا بھی ہے:

"قدیم مخطوطات کے سلسلے میں آج کے پیمانے کا استعمال غلط نتیجے پر پہنچائے گا، نہ جانے کتنے الفاظ واصطلاحات اب متروک ہو چکے ہیں،، الفاظ کے معنی بدل چکے ہیں، املا اور تلفظ میں فرق واقع ہو چکا ہے"۱۷

۳۔ اس کے علاوہ ایک مدون اور محقق جو اردو یا فارسی نثر پر کام کر رہا ہے تو اس کو لغت نویسی پر بھی خاطر خواہ دسترس حاصل ہونا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات کسی مخطوطے یا متن میں ایسے الفاظ یا فقرے بھی آجاتے ہیں جو جدید دور میں مستعمل نہیں ہیں، اور اگر وہ شعری متن کی تحقیق و تدوین کر رہا ہو تو اس کو عروض و قافیہ کے اصول و قواعد کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

۴۔ محقق کو مدون کو تاریخی حقائق اور دیگر علمی مسائل سے بھی آگاہی ہونا چاہیے، اور جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ مخطوطہ شناس اور محقق اس عہد کے رسم الخط، جلد سازی، کاغذ، روشنائی وغیرہ کے بارے میں بھی جاننا بہت زیادہ ضروری بلکہ بعض اوقات تو لازم ہو جاتا ہے، کیونکہ ان چیزوں کی مدد سے مخطوطے کے زمانے کا درست تعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے اور اگر کسی مخطوطے کی قدامت کو ثابت کرنے میں کسی قسم کی کمی وبیشی یا کوئی جعل سازی کی گئی ہے، تو ان چیزوں کی درست معلومات کے سبب مخطوطے کی اصل حیثیت واہمیت کو بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ہمیں یہ جاننا بھی بے حد ضروری ہے تحقیق و تدوین کی تمام تر بنیاد، محقق کی دیانت داری اور حق گوئی پر ہوتی ہے، لہٰذا مخطوطہ شناسی کے پورے عمل میں یہ کوشش کرنا چاہیے، مخطوطہ شناس اپنی تحقیق اور تدوین کے دوران جن منابع وماخذ کا سہارا لیتا ہے ان کا اقرار پوری صداقت و دیانت داری کے ساتھ کرے، ایسا کرنے سے اس کے تحقیقی کام اور علمی معیار میں کمی نہیں آتی، بلکہ اس کو کامیابی و کامرانی ہی حاصل ہوتی ہے، رشید حسن خان نے ایک کامیاب و کامران محقق اور مخطوطہ شناس کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بالکل درست کہا ہے:

"تدوین کے لیے مزاج کا تحقیق آشنا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ ضروری ہے کی تدوین کی شرائط سے اور اس کے اصولوں سے آدمی کماحقہ واقف ہو اور عملی مسائل سے بھی کم آشنانہ ہو یعنی اسے یہ معلوم ہو کہ تدوین کا طریقہ کیا ہے، صحت متن کا مفہوم کیا ہے، اختلاف نسخ کا مطلب کیا ہے اور ایسے ہی دوسرے متعلقّات سے بھی بخوبی واقف ہو۔ فارسی اچھی طرح جانتا ہو۔ جس عہد کی تصنیف مرتب کرنا چاہتا ہو، اس عہد کی زبان کا خاص طور پر اس نے مطالعہ کیا ہو۔ اس کے علاوہ اس عہد کے مصنفین کے کلام کا مفصل مطالعہ کیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ باخبری سے مراد یہ نہیں کہ سنی سنائی پر قناعت کی جاچکی ہو"۱۸

جیسا کہ قبلاً بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہندستان کی بے شمار ایسے کتب خانے اور سرکاری و غیر سرکاری ادارے موجود ہیں جہاں فارسی ، عربی اوراردو وغیرہ زبانوں کے مخطوطات کا بڑا نایاب ونادر ذخیرہ پایا جاتا ہے لیکن بہت ہی افسوس و تاسف کے ساتھ ہمیں بار بار یہ کہنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے کہ ہمارا یہ سرمایہ ہماری سہل پسندی اور لاپرواہی کے سبب بہت تیزی کے ساتھ ضائع ہوتا چلا جارہا ہے اور ہم خاموش تماشائی بنے یہ سب دیکھ رہے ہیں ۔اس کے علاوہ ہمارے ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں لوگوں کے ذاتی ذخیرے بھی کچھ کم اہمیت کے حامل قرار نہیں دیئے جاسکتے ہیں، مگر فارسی زبان سے عدم واقفیت اور بے اعتنائی کے سبب یہ ذاتی ذخائر بھی انتہائی خراب وخستہ حالت میں ہیں اور بعض تو ایسے ہیں کہ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں فنا ہو کر صفحہ قرطاس سے اپنے نام ونشان محو کر چکے ہیں، لیکن ہمیں یہ بات ہر گز بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے، کہ یہ مخطوطات انسانی تہذیب و ثقافت کی اساس اور جدید تمدن کا شاندار ستون ہیں۔ اور یہ ہی سبب ہے کہ مشرقی زبانوں بالخصوص عربی، فارسی اور اردو میں مخطوطات کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ ہمارا بیشتر قدیم علمی وادبی سرمایہ مخطوطات کی شکل میں ہی آج ہمارے پاس محفوظ ہے۔ قدیم تواریخ و تذکرے، سوانح وسیرت، داستانیں، مثنویات اور شعرا کے دواوین وغیرہ سب کے سب مخطوطات کی شکل میں ہی موجود ہیں اور اس

حقیقت کا اعتراف کرنا بے حد ضروری ہے کہ ان مخطوطات کے بغیر ہم اپنی ادبی روایات کی جڑوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ عصر حاضر میں:

> ”تمام تر آسانیوں اور آسائشوں کے باوجود مخطوطہ شناسی کی روایت معاصر تحقیقی منظر نامے میں سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ بنیادی بات یہ ہے علم (Knowledge) کے بجائے محض معلومات (Information) کو ہی فوقیت دینے کے اس ماحول میں نوجوان محققین سرعت رفتاری کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں جب کہ ماضی کے مخطوطات تک پہنچنے، سمجھنے اور اپنانے کا عمل انتہائی احتیاط اور دقت نظری کا متقاضی ہے۔ ماضی سے کٹنے اور ان دیکھے مستقبل میں اپنی جگہ بنانے کی دوڑ میں معیار کے بجائے مقدار کا پہلو مقدم ہے۔ مسابقت اور معاشی گرانی کا ماحول پہلے ہی اہل علم کی ناک میں دم کیے ہوئے ہے، تن آسانی اور مشقت سے گریز کے باعث پتہ ماری کرنے والے قدیم علما کی تقلید کی توقع خام خیالی سے زیاد کچھ نہیں، ایسے میں اخلاص کے حامل اہل علم و دانش دن میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتے“[۱۹]

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کا یہ بیش قیمت ورثہ ہمارے ملک کے کونے کونے میں بکھرا پڑا ہے، جس کو محفوظ و مدون کرنے کی سخت ضرورت ہے، یہ بیش قیمت مخطوطات ہماری بے اعتنائی اور عدم توجہی کا شکار ہو کر آہستہ آہستہ صفحہ قرطاس سے اپنے نقش و نگار محو کرتے چلے جا رہے ہیں، ان کی ناقدری کو دیکھ کر بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہ صورت اسی طرح حال بر قرار رہی اور وقت رہتے ہم نے ان کی طرف اپنی توجہ مرکوز نہیں کی تو ہماری قوم ہمارے اسلاف کے اس قیمتی اثاثے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گی اور پھر ہماری آنے والی نسلیں ہماری اس بے اعتنائی، لاپرواہی اور بے حسی پر کف افسوس ملتی رہیں گی، موجودہ وقت میں مخطوطہ شناسی کی روایت کو زندہ و تابندہ رکھنے والے لوگ، آٹے میں نمک کے برابر بھی باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ بڑی بڑی دانش

گاہوں میں بھی مخطوطہ شناسی پر ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر تحقیقی کام کرنے طلبا اوراس موضوع پر کام کروانے والے اساتذہ دونوں ہی کی تعداد دن بہ دن کم سے کم تر ہوتی چلی جارہی ہے جو یقیناً ہم سب کے لیے بہت تشویشناک بلکہ افسوس ناک بات ہے۔اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے، کہ مخطوطات کی تحقیق وتدوین کی سرپرستی پر معمور ہمارے سرکاری ادارے بھی اس سلسلے میں بہت زیادہ سرگرم اور پرجوش دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ماضی کی درخشاں اور تابندہ روایات سے اپنا رشتہ توڑ کر، ہم اپنے مستقبل کو روشن نہیں کرسکتے۔ مایوسی کے اس ماحول میں، ہمیں اصلاح احوال کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں فوری طور پر جو اقدام اٹھانے ضروری ہیں ان میں سب سے پہلا یہ ہے کہ جامعات میں مخطوطہ شناسی کی ارزش واہمیت پر سیمینار اور کانفرنسز کرائے جانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ، عالمی سطح پر سند یافتہ، مخطوطہ شناسی کے ماہرین سے مسلسل روابط ومراسم قائم رکھے جائیں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے، اورایسے مخطوطات جو مرکزی یا ریاستی حکومتوں کی سرپرستی میں شائع کئے جاتے ہیں، انھیں ہر خاص وعام تک پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ریاستی اور مرکزی سرکاروں کے زیر تحت آنے والی دانش گاہوں میں ریسرچ اسکالرز سے معیاری مقالات لکھوانے پر زور دیا جائے اور ایسے اسکالرز جو مخطوطہ شناسی کے میدان میں خصوصی دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کی مالی معاونت یعنی Financial Support بھی کی جائے۔ اور سب سے بڑھ کر ہر خاص وعام کو اپنی اس میراث کی قدر وقیمت کا احساس کرانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے اقدامات کیے جائیں، اور ان کی جانب ہونے والی سنجیدہ تحقیقی کوششوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ اس بیش قیمت علمی میراث کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہوسکے اور بقول حافظ۔:

تازخواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاهی گاهی باز خوان این قصۂ پارینہ را

ترجمہ: اگر تو اس بات کا خواہش مند ہے کہ تیرے سینے کے داغ تازہ رہیں مراد اپنے اسلاف کے کارنامے تجھ کو یاد رہیں، تو کبھی کبھی ان پرانے قصوں کو پڑھ لیا کر۔

ماخذ و منابع

۱۔ قواعد تحقیق و تدوین، شفیق انجم، پورب اکیڈمی، اسلام آباد پاکستان، ۲۰۱۵، ص ۹۹۔
۲۔ اصول تحقیق، عبد الحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۱۵، ص ۱۹۱۔
۳۔ تشکیل (آن لائن اردو ریسرچ جرنل) مضمون نگار اعجاز رازق اعوان، جلد ۲۔ شمارہ ۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۲۴، ص ۲۵۔۲۶۔
۴۔ اردو جامع انسایکلوپیڈیا، جلد دوم، حامد علی خان، مولانا مدیر اعلی، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۷، ص ۱۸۸۲۔
۵۔ رسالہ فکر و نظر ۷، مضمون نویس، ڈاکٹر انجم رحمانی، مخطوطات، ۲۰۱۵، ص ۳۴۔
۶۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی، مضمون فارسی میں تحقیق کی روائت، تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی، ۲۰۰۶، صفحہ نمبر ۵۵۔
۷۔ تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص ۴۸۔۴۹۔
۸۔ تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ۹۴۔
۹۔ تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص ۱۱۹۔
۱۰۔ تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص ۳۵۔
۱۱۔ تصحیح و تحقیق متن، پروفیسر نذیر احمد، احمد برادرز، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۰، ص ۱۸۔

۱۲۔ تصحیح و تحقیق متن، پروفیسر نذیر احمد، احمد برادرز، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۰، ص ۲۰۔
۱۳۔ مخطوطات، مالک رام، تلاش قرات و ترتیب مشمولہ تحقیق و تدوین (سید محمد ہاشم) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۸، ص ۱۳۹۔
۱۴۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی، مضمون فارسی میں تحقیق کی روائت، تحقیق و تدوین، مرتبہ پروفیسر ابن کنول، کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی، ۲۰۰۶، صفحہ نمبر ۵۶۔
۱۵۔ تصحیح و تحقیق متن، پروفیسر نذیر احمد، احمد برادرز، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۰، ص ۲۲۔
۱۶۔ فن خطاطی و مخطوطہ شناسی، مرتب ڈاکٹر فضل الحق، جمال پرنٹنگ، ۱۹۸۶، ص ۱۶۔۱۷۔
۱۷۔ تصحیح و تحقیق متن، پروفیسر نذیر احمد، احمد برادرز، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۰، ص ۴۱۔
۱۸۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، الفیصل ناشران، لاہور پاکستان، ۲۰۰۳، ص ۹۴۔
۱۹۔ تشکیل (آن لائن اردو ریسرچ جرنل) مضمون نگار اعجاز رازق اعوان، جلد ۲۔ شمارہ ۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۲۴، ص ۲۵۔۲۶۔

***